مسئلہ اذان واقامت کا
صحیح نظریہ
مصنفہ
مناظرِ اہلسنت فقیہ النفس
مفتی مطیع الرحمن رضوی
ناشر
القلم فاؤنڈیشن، سلطان گنج، پٹنہ ٦

"مسئلہ اذان واقامت" پہ تشکیک زدہ انسانوں کی خدمت میں ایک
علمی تحقیقی اور دعوت فکر وعمل دینے والی کتاب

بنام

مسئلہ اذان واقامت:
صحیح نظریہ

مصنفہ

فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی

ناشر

القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ ۶

نام کتاب : مسئلہ اذان واقامت: صحیح نظریہ
مصنف : فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی
تاثر گرامی : امین شریعت مفتی عبدالواجد قادری
مقدمہ : ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد
صفحات : 92
ناشر : القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ
سن اشاعت : 2018
قیمت : 150/روپے

کتاب حاصل کریں

بریلی شریف : مکتبہ رحمانیہ، درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف
مبارکپور : مکتبہ زمزم اکیڈمی، مبارک پور
لکھنو : مولانا گلزار احمد رضوی: مدرسہ اہل سنت نور الاسلام اکبر نگر، فیض آباد روڈ مہانگر لکھنو
سہسرام : دار العلوم خیریہ نظامیہ، بارہ دری سہسرام
سیتامڑھی : فیضی کتاب گھر مہسول چوک سیتامڑھی بہار

اور دیگر تمام اہم مراکز سے

فہرست مضامین

تاثّرِ گرامی

امین شریعت حضرت مفتی عبدالواجد قادری مدظلہ العالی

نماز باجماعت پنجگانہ بہ شمول جمعہ کے لیے اذان سنّت مؤکدہ اور شعار اسلام ہے ،جس کا ثبوت خود شارع اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کے اقوال کریمہ اور فعل سے ہے۔اور وہ عہد رسالت ہی سے مسجد کے باہر ہوتی رہی ہے۔کسی طرح ثابت نہیں کہ خیر القرون میں کوئی اذان مسجد میں دی گئی ہو۔جب علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الر شدین المھدیین امر مطاع موجود ہے،تو پھر کسی مطیع کو کس طرح اس کے خلاف عمل کی جرأت ہوسکتی ہے؟

مسائل مختلف فیہا بلکہ اجماعیہ متاخرہ میں بھی اس کے برخلاف بعض روایت کامل جانا اس امر کی دلیل نہیں کہ اس کے سہارے اصل سنّت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام اور سنّت خلفاے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم سے منہ موڑ لیا جائے اور سنّت ثابتہ کی مخالفت کی جائے۔مولاے کریم بطفیل نبیّ رؤف ورحیم علیہ التحیّۃ والتسلیم ایسے ناعاقبت اندیشانہ افکار واقدام سے بچائے ،امین یاارحم الراحمین!

ہمارے عزیز مولانا ڈاکٹر امجد رضا صاحب امجد مفتی ادارۂ شرعیہ بہار نے مسائل ذان واقامت پر مشتمل فقیہ العصر حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب زید مجدہ کی ایک تحریر پُرتنویر بھیجی ہے جو دلائل شرعیہ سے مزین اور جزئیات فقہیہ سے مبرہن کوزے میں سمندر کو سمیٹ لینے کی مصداق ہے۔اس کے مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب صرف اپنے مذہب حنفی ہی کے مفتی نہیں بلکہ مذاہب اربعہ کے وہ عظیم

اسکالر ہیں جن کو دوسرے برحق مذاہب کے فقہ پر بھی کافی عبور ہے۔ اس مختصر مگر جامع رسالہ میں انہوں نے دوسرے مذاہب حقہ کے فقہی جزئیات کو بھی اس حسن وخوبی کے ساتھ یکجا فرمادیا ہے جس سے مذہب حنفی کی حقانیت پوری طرح واضح ہوگئی ہے۔

عزیزی مفتی امجد رضا صاحب نے حضرت فقیہ العصر کے اس رسالۂ نافعہ واضحہ مدلل پر فقیر ہیچمدان کی رائے معلوم کی ہے۔ جب کہ اس کے مصنف تو اس بحر کے ایسے تیراک ہیں جو اس کی پہنائیوں سے موتی نکال لیا کرتے ہیں۔ میں تو اس کے ساحل پر کھڑا موجوں کا تماشہ ہی دیکھ رہا ہوں۔ بھلا مجھے ان مسائل میں رائے زنی کی کیا مجال، جن کی تحقیق وتدقیق فقہائے اسلام، ائمہ مذاہب مجتہدین شریعت اور مجددین ملت نے فرمادی ہے۔

دریں صورت وماعلینا الا الاتباع کے سوا چارہ کیا ہے۔ ہاں! وہ دوسرے لوگ ہیں جو سنت ثابتہ کی اتباع سے انحراف اور تقلید ائمہ سے آزادی کو کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ جن مقتداؤں کی علمی عظمتوں کا پھریرا وہ عوام کے سامنے اسٹیج پر لہراتے ہیں، ان ہی بزرگوں کے تحقیقی مسائل کے برخلاف اپنی تحقیق کی جدید عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے خودسر لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑیے، ہم مقلد مسلمان ہیں اور موجودہ دور میں اپنے اسلام کو سلامت رکھنے کے لیے تقلید ہی کی ضرورت ہے۔

حضرت فقیہ العصر کی سعی مشکور کے بعد مزید کسی تائید کی ضرورت نہیں ہے۔ بس مولائے کریم اپنے کرم سے اسے قبول فرمائے آمین! وصلی اللہ تعالی علی النبی المطاع وآلہ وصحبہ وامتہ الاتقیاء۔

عبدالواجد قادری غفرلہ

بروز جمعہ ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

مقدمہ

استاذ گرامی حضرت فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مدظلہ سیدنا حضور مفتیؒ اعظم قدس سرہ کے شاگرد و مرید اور خلیفہ ومجاز ہیں۔ حضور مفتیؒ اعظم نے ان کو سند حدیث وفقہ میں ''الولد الاعز'' تحریر فرمایا ہے۔ وہ مسلک رضا کے سچے داعی و مبلّغ ہیں، تمام اہل سنت کو اپنا دینی بھائی سمجھتے اور ان سے محبت رکھتے ہیں۔ فروعی مسائل میں اختلاف کو اس راہ اخوت ومحبت میں رکاوٹ نہیں سمجھتے اگرچہ ترجیح وہ اسی کو دیتے ہیں جو امام احمد رضا اور حضور مفتی اعظم کے نزدیک راجح ہے۔

ابھی خانقاہ سید سراواں، جہاں کے مدرسین و متعلقین جیسے مولانا ذیشان، ناصر رام پوری اور نوشاد چشتی وغیرہ نے الکٹرانک میڈیا پہ دیوبندیوں کی تکفیر سے متعلق اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے خلاف منصوبہ بند تحریک چھیڑ رکھی ہے، وہاں سے ''اذان واقامت کا معتدل نظریہ'' نام کی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں جا بجا امام احمد رضا پر طنز وتعریض کے نشتر چبھوئے گئے ہیں۔ تو میں نے اس کے چند اقتباسات نقل کر کے حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ حضور والا تو وہاں سے متعلق حسن ظن رکھتے ہیں اور کئی بار وہاں تشریف بھی لے جا چکے ہیں، مگر یہ اقتباسات ملاحظہ فرمایا جائے۔ جس پر آپ نے بروقت ایکشن لیا اور وہاں ایک مبسوط خط لکھا۔ خط کے کچھ اقتباسات یہ ہیں:

(۱) قرآن وحدیث نے ہمیں صراط مستقیم کی رہنمائی فرمائی ہے جس میں افراط کا موقع ہے نہ تفریط کی گنجائش۔ ضروریات دین، جن کا ثبوت قرآن کریم۔ یا۔ حدیث متواتر قطعی الدلالت بالمعنی الاخص۔ یا۔ اجماعی قطعی بالمعنی الاخص سے ہوتا ہے۔ ان میں سے کسی کا بھی

انکار کفر قطعی ویقینی ہے۔ جس شخص کو کسی کے تعلق سے اس انکار کا ثبوت افواہ بازاری سے نہیں بلکہ اپنے سماع یا خبر متواتر سے مل جائے اس شخص پر اس انکار کرنے والے کی تکفیر فرض ہے۔ یہاں تک کہ جو ایسے منکر کی تکفیر نہ کرے وہ بھی کافر ہے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

(۲) اور ضروریات اہل سنّت، جن کا ثبوت قرآن کریم یا حدیث مشہور قطعی الدلالت بالمعنی الاعم یا اجماعی قطعی بالمعنی الاعم سے ہوتا ہے۔ ان میں کسی کا بھی انکار گمرہی ہے۔ جس شخص کو کسی کے تعلق سے اس انکار کا ثبوت افواہ بازاری سے نہیں بلکہ اپنے سماع یا خبر مشہور سے مل جائے، اس شخص پر اس انکار کرنے والے کو گمراہ سمجھنا ضروری ہے۔ اس پر تمام اہل سنت کا اتفاق ہے۔

(۳) چودھویں صدی ہجری میں جس کی سب سے زیادہ تبلیغ واشاعت کا فریضہ امام احمد رضا بریلوی نے انجام دیا اس لیے یہ مسلک عرف میں ان کے نام سے منسوب ہوا۔

(۴) الحمدلله! کہ فقیر محمد مطیع الرحمٰن رضوی اسی مسلک پر گامزن رہتے ہوئے حکم قرآنی:

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَاناً"

(ترجمہ) اور اللہ کی رسّی مضبوط تھام لو سب مل کر، اور آپس میں پھٹ نہ جانا، اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا۔ تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے"۔

پر عمل پیرا ہے اور تمام اہل سُنت کو اپنا دینی بھائی سمجھتا ہے۔ فروعی

مسائل میں اختلاف، جیسے: قیام عند الفلاح، اذان فی المسجد اور سماع بالمز امیر وغیرہ کو اس اخوت و بھائی چارگی کی راہ میں کبھی بھی حائل نہیں ہونے دیتا۔

(۵) عزیزم مولانا امجد رضا نے ''مسئلہ اذان واقامت ایک معتدل نظریہ'' کے بعض اقتباسات بھیجے ہیں، جن میں ''فتاوی رضویہ'' کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔بات صرف تنقید کی حد تک رہتی تو میں آج ---یہ مکتوب لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا مگر ماتم تو اس کا ہے کہ ''مسئلہ اذان واقامت اک معتدل نظریہ'' میں نہ صرف کتابوں کی عبارتوں کے اختراعی مفہومات اخذ کیے گئے ہیں، بلکہ اس کے سہارے امام احمد رضا پر لعن وطعن کے جتنے تیر برسا سکتے تھے، برسا دئے گئے ہیں۔ملاحظہ ہو:

(الف) جنہیں احیائے سنت کا شوق ہے وہ جمعہ کی دو اذانوں میں سے ایک اذان کو ہی سرے سے حذف ہونے کا بیرا اُٹھائیں الخ (ص ۵۳)۔

(ب) بعض لوگ **بین یدی الخطیب /المنبر** کے لفظ سے دھوکا کھا جاتے ہیں یا دھوکا دیتے ہیں کہ اس سے مراد مواجہت ہے۔الخ (ص ۵۴،۳۵)۔

(ج) ---ایسے شخص کا قبلۂ تفقہ گُم ہو گیا ہے۔ایسے شخص کو چاہیے کہ پہلے وہ مقاصد شریعت کو سمجھے اور پھر اس کی مشروعیت کا جائزہ لے اور عہد رسالت سے لے کر اب تک اس میں کس طرح کی تبدیلیاں ہوئی ہیں اُن پر ایک نظر ڈالے تاکہ اسے مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھ میں آجائے ورنہ امت کی اجتماعیت کو تار تار کرنے علاوہ اس سے کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔(ص ۵۵)۔

(د) بعض حضرات سے یہ شوشہ بھی چھوڑتے ہیں کہ اذان ذکر خالص نہیں ہے لہٰذا اس کو مسجد میں دینا درست نہیں (ص ۶۲)۔

(۶) اگر۔۔۔ یہ فرمائیں کہ یہ کچھ عام سے مولویوں کے عمل کا ردِعمل ہے۔ تو عرض کروں گا کہ اگر تبرّائی شیعہ خلفائے ثلٰثہ کی شان میں گستاخی کریں، تو کیا جواباً آپ مولائے کائنات پر تبرّا کی اجازت دیں گے؟ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مقتدی کے جرم کی سزا مقتدا کو دی جائے؟

حضرت مفتی صاحب کی زیر نظر کتاب ''اذان واقامت کا صحیح نظریہ'' جو سو سے زائد کتابوں کی سیکڑوں عبارتوں سے مزین ہے، اس کے پس منظر میں خانقاہ سید سراواں کی ایک کتاب ہے، جس میں دراصل ان کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے، علمائے دیوبند نے بہت پہلے اس پر جو کچھ لکھا ہے اسی کو انداز بدل کر اپنے نام سے چھاپ دیا گیا ہے۔ جن کے جوابات پہلے بھی دیے دیئے گئے ہیں اور حضرت مفتی صاحب نے بھی کوئی دقیقہ باقی نہیں رہنے دیا ہے۔ خاص کر اقامت پر کھڑے ہونے کے مسئلہ میں خانقاہ سید سراواں سے آٹھویں یا نویں صدی ہجری کے عظیم حنفی فقیہ صاحب **مضمرات** کی ایک عبارت جسے بعد کے تمام فقہا نے نقل کرکے مقرر ہی نہیں رکھا، بلکہ استدلال بھی فرمایا ہے۔ اس کے سلسلہ میں ان کو جو الزام واتہام دیا ہے، اس کی پوری حقیقت واضح کی ہے، وہ حضرت مفتی صاحب ہی کا حصہ ہے۔ سچ فرمایا ہے فرمانے والوں نے کہ:

فقاہت یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے۔ یوں تو ہر اعرابی، ہر بدوی فقیہ ہوتا؛ کہ ان کی مادری زبان عربی ہے۔ بلکہ فقہ بعد ملاحظۂ اصول مقررہ وضوابط محررہ، وجوہ تکلم وطرق تفاہم، وتنقیح مناط ولحاظ انضباط، ومواضع یسر واحتیاط، وتجنب تفریط واحتیاط، وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ، وتمیز درآیات غامضہ وظاہرہ

، ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل، وقول بعض وجمہور، ومرسل ومعلل، ووزن الفاظ مفتیین وسبر مراتب ناقلین، عرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص، وحال زمان ومکان واحوال رعایا وسلطان، وحفظ مصالح دین ودفع مفاسد مفسدین، وعلم وجوہ تجریح، واسباب ترجیح، ومناہج توفیق ومدارج تطبیق، ومسالک تخصیص ومناسک تقیید، ومشارع قیود وشوارع مقصود، وجمع کلام ونقد مرام وفہم مراد کا نام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام، ونظر دقیق وفکر عمیق، وطول خدمت علم وممارست فن، وتیقظ وافی وذہن صافی، معتاد تحقیق موئید بتوفیق کا کام ہے۔

مگر آپ دونوں کے اسلوب بیان اور لب ولہجہ کو دیکھیں کہ خانقاہ جہاں ادب وتہذیب اور شائستگی کے ساتھ عاجزی وفروتنی کی تربیت دی جاتی ہی
اور مدرسہ جس کے بارے میں ادعا ہے کہ:

مدرسہ میں کیا دھرا ہے اے پسر۔ جز خبر وہ بھی نہیں ہے معتبر

میں کتنا عظیم فرق ہے؟

اعلی حضرت رضی اللہ عنہ کو جہاں اگلے بزرگوں سے علمی اختلاف ہوا ہے، وہاں انہوں نے "تطفل" یعنی "بچکانہ گذارش" کا لفظ استعمال کرکے اپنے دلائل پیش کیے ہیں۔ مفتی صاحب نے ادب کا یہ انداز وہیں سے اخذ کیا ہے۔ اللہ تعالی ہم کو سب کو بزرگوں کے ادب کی توفیق عطا فرمائے آمین! امید ہے کہ مفتی صاحب کی اس کتاب "اذان واقامت کا صحیح نظریہ" کے مطالعہ سے اذان واقامت کے بارے میں لوگوں کی غلط فہمیوں کا غبار صاف ہوگا اور وہ حقیقتوں کا صاف چہرہ دیکھ سکیں گے۔

محمد امجد رضا امجد

پٹنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز کے لیے اوقات مقرر ہیں قرآن عظیم میں ہے: **اِنَّ الصّٰلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا**۔ ترجمہ: بے شک نماز مسلمانوں پر مقرر کردہ وقتوں پر فرض ہے۔ (نساء، ۱۰۳) اس کی مشروعیت جماعت کے ساتھ ہے: **وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ**۔ ترجمہ: اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو (بقرہ، ۴۳) اور ایک ہی وقت میں کسی آبادی کے سارے لوگوں کا جمع ہوجانا مستبعد تھا تو اس کے لیے اذان مشروع ہوئی۔ **والاذان شرع لاحضار الناس الی المسجد لاداء الصلاۃ**۔ ترجمہ: اذان مشروع اسی لیے ہوئی کہ لوگوں کو نماز کی ادائے گی کے لیے مسجد میں حاضر کیا جائے۔ (فتاوی قاضی خاں ج اص ۴۶)

لغت میں اذان کے معنی خبر دینے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں مخصوص طور پر مخصوص الفاظ سے خاص (یعنی نماز کی) خبر دینے کو اذان کہتے ہیں۔

تنویر الابصار ودرمختار برحاشیہ طحطاوی مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ دیوبند ج۱ ص ۱۸۴ میں ہے:

> **(ھو) لغۃ الاعلام و شرعا (اعلام مخصوص علی وجہ مخصوص بالفاظ کذالک) ای مخصوصۃ**۔ ترجمہ: اذان کے لغوی معنی خبر دینے کے، اور شرعی معنی مخصوص الفاظ میں مخصوص طریقے پر خاص خبر دینے کے ہیں۔

درمختار ہی میں ہے:

> **یعم الفائتۃ و بین الخطیب**۔ عام ازیں کہ قضا نماز کی اذان ہو یا جمعہ کی وہ اذان جو خطیب کے سامنے ہوتی ہے،

بحر الرائق ج ا ص ۴۴۴ میں ہے:

سن الاذان للصلوٰت الخمس و الجمعة سنة موكدة قوية قريبة من الواجب۔ یہ اذان پنج گانہ اور جمعہ کے لیے سنت موکدہ قریب بہ واجب ہے۔

اذان کا اصل مقصود:

خبر دینے کی اصل ضرورت چوں کہ غیر موجود لوگوں ہی کو ہوتی ہے ،موجود لوگوں کو نہیں ، اس لیے فقہائے کرام نے تنصیص کی ہے کہ اذان سے اصل مقصود غیر موجود لوگوں کو اطلاع دینا ہے۔

فقہ حنفی کی معتمد کتاب ''البحر الرائق'' مطبوعہ زکریا بک ڈپو، دیوبند ج ا ص ۴۴۵ میں ہے:

ان المقصود منه الاعلام ولا يحصل بالاخفاء۔ترجمہ :اذان سے مقصود لوگوں کو نما کی خبر دینا ہے جو آہستہ کہنے سے حاصل نہیں ہوتا ہے۔

اسی کے ۴۵۰ میں ہے:

الاذان فانه اعلام الغائبين۔ترجمہ: اذان اُن لوگوں کو بلانے کے لیے ہے جو حاضر نہیں ہیں

اسی کے ص ۴۵۸ میں ہے:

انه لا علام الغائبين۔ترجمہ: اذان غیر موجود لوگوں کو خبر دینے کے لیے ہے۔

فقہ حنبلی کی معتمد کتاب ''المبدع'' ج ۲ ص ۲۸۱ میں ہے:

لانه اعلام الغائبين ترجمہ: اذان

غیر موجود لوگوں کی اطلاع کے لیے ہے۔

علامہ ابن الحاج مالکی کی ''مدخل'' ج ۲ ص ۲۰۷ میں ہے:

ان الاذان انما هو نداء الی الصلاة ومن هو فی المسجد لا معنی لندائه، اذ هو حاضر۔ ترجمہ: اذان تو نماز کے لیے ''بلاوے'' کا نام ہے اور جو مسجد ہی میں ہو، اس کو بلانے کے کوئی معنی نہیں؛ کیوں کہ وہ تو حاضر ہی ہے۔

اذان اونچی آواز سے کہی جائے:

یہی وجہ ہے کہ اذان کے لیے اونچی آواز کو لازم قرار دیا گیا۔ ترمذی شریف ج ۱ ص ۲۶ باب ماجاء فی بدأ الاذان میں ہے:

قال لما اصبحنا اتینا رسول الله صلی الله علیه وسلم فاخبرته بالرؤیا فقال ان هذه لرؤیا حق فقم مع بلال فانه اندی وامد صوتا منک فالق علیه ماقیل لک ولیناد بذالک۔ ترجمہ: راوی کہتے ہیں کہ جب میں نے اذان کے تعلق سے دیکھے ہوئے خواب کی بابت حضور سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: بے شک یہ سچّا خواب ہے۔ تم بلال کے ساتھ جاؤ؛ کیوں کہ اس کی آواز تم سے بلند تر ہے، تم اسے بتاتے جانا اور وہ اذان دے گا۔

عورت کے لیے اذان دینا کیوں مکروہ ہے:

فقہا فرماتے ہیں کہ عورت کو اذان دینا مکروہ ہے اس لیے کہ عورت کو آواز بلند کرنا جائز نہیں، اور پست آواز سے اذان دے تو اذان ہی نہیں ہوگی۔

''کنز الدقائق'' متن بحر الرائق میں ہے:

کره اذان امرأة۔ ترجمہ: عورت کے لیے اذان دینا مکروہ ہے۔

"البحر الرائق" ج ۱ ص ۴۵۸ میں ہے:

واما اذان المرأة فلا نها منهية عن رفع صوتها۔ ترجمہ: عورت کو اذان دینا مکروہ اس لیے ہے کہ اسے آواز بلند کرنے کی ممانعت ہے۔

اسی کے ص ۴۵۹ میں ہے:

ذكر فى السراج الوهاج: اذا لم يعيدوا اذان امرأة فكانهم صلوا بغير اذان فلهذا كان عليهم الاعادة، وهو يقتضى عدم صحته۔ ترجمہ: سراج وہاج میں بیان کیا ہے کہ: جن لوگوں نے عورت کی اذان کا اعادہ کئے بغیر نماز پڑھ لی، گویا انہوں نے اذان کے بغیر ہی نماز پڑھ لی۔ یہ اس بات کی مقتضی ہے کہ عورت کی اذان ہوگی ہی نہیں۔

"العنایہ" شرح ہدایہ مع الفتح مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ دیوبند ج ۱ ص ۲۵۹ میں ہے:

اذان امرأة لا تكون على وجه السنة بل على وجه البدعة لانها ان رفعت صوتها فى اعلى موضع ارتكبت بدعة والا لم توذن على وجه السنة و ترك وجه هٰذه السنة بدعة۔ ترجمہ: عورت اذان دے تو سنت طریقہ پر نہیں ہوگی، بدعت طریقہ پر ہوگی؛ کیوں کہ اونچی جگہ بلند آواز سے دے گی تو بدعت کا ارتکاب کرے گی۔ اور بلند آواز سے نہیں دے گی تو سنّت طریقہ پر نہ ہوگی، جب کہ سنت طریقہ کو ترک کرنا بدعت ہے۔

اذان اونچی جگہ سے دینا سنت ہے:

اسی لیے اذان کی خاطر بلند جگہ اختیار کی گئی تا کہ آواز دور تک پہنچے۔

مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الاذان، حدیث: ۲۱۱۸ میں ہے:

ان عبد الله بن زيد الانصارى جاء الى النبى صلى الله

علیہ و سلم، فقال: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ و سلم، رأیت فی المنام کان رجلا قام وعلیہ بُردان اخضران علی جذمة حائط فأذن۔ (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن زید انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں نے خواب دیکھا کہ دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے ایک شخص نے دیوار کی منڈیر پر چڑھ کے اذان کہی۔

ابن سعد کی طبقات کبریٰ ج ۸ ص ۴۲ مطبوعہ بیروت میں ہے:

النوار ام زید بن ثابت تقول: کان بیتی اطول بیت حول المسجد، فکان بلال یوذن فوقہ من اول ما اذن الی ان بنی رسول اللہ مسجدہ، فکان یوذن بعد علی ظهر المسجد وقد رفع له شئ فوق ظهره۔ (ترجمہ) زید بن ثابت کی والدہ نوار رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مسجد نبوی کے قریب میرا گھر سب گھروں سے اونچا تھا۔ بلال شروع سے اسی کے اوپر اذان دیتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنائی جس کی چھت پر تھوڑی سی جگہ اذان کے لیے اونچی کر دی گئی، تو اس پر اذان کہنے لگے۔

حنفی فقہا کے ارشادات:

(۱) امام علاء الدین الکاسانی (ت ۵۸۷ھ) نے "البدائع الصنائع" مطبوعہ زکریا بکڈپو دیوبند ج ا ص ۳۶۹ میں فرمایا ہے:

فسنن الاذان فی الاصل نوعان: نوع یرجع الی اصل الاذان، و نوع یرجع الی صفات المؤذن۔ اما الذی یرجع الی نفس الاذان فانواع: منها ان یظهر بالاذان فیرفع به صوته لان

المقصود وهو الاعلام يحصل به، الا ترى ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لعبد الله بن زيد: علمه بلالا فانه اندى وامد صوتا منك۔ لهٰذا كان الافضل ان يوذن في موضع يكون اسمع للجيران كالمئذنة ونحوها۔ اذان کی سنتیں اصل میں دو طرح کی ہیں (۱) وہ سنتیں جو نفس اذان سے متعلق ہیں (۲) وہ سنتیں جو صفات مؤذن سے متعلق ہیں۔ نفس اذان سے متعلق ایک سنت یہ ہے کہ بلند آواز سے اذان کہی جائے؛ کیوں کہ اذان کا مقصد اعلام ہے اور وہ اسی سے حاصل ہوگا۔ کیا نہیں جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن زید سے فرمایا: بلال کو بتاؤ؛ کیوں کہ اس کی آواز تم سے بلند تر ہے۔ لہٰذا افضل یہ ہے کہ اذان ایسی جگہ سے دی جائے جہاں سے لوگ زیادہ سن سکیں جیسے مئذنہ وغیرہ۔

(۲) ''فتاوی عالم گیری'' مطبوعہ زکریا بکڈپو ج۱ ص ۱۱۲ میں ہے:

والسنة ان يؤذن في موضع عال يكون اسمع لجيرانه ويرفع صوته۔ ترجمہ: سنت یہ ہے کہ اذان ایسی اونچی جگہ سے بلند آواز میں کہی جائے کہ پڑوس کے لوگ اچھی طرح سن سکیں۔

فقہائے شافعی کے ارشادات:

(۱) حضرت علامہ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی (ت ۵۱۶) اپنی کتاب ''التهذيب'' میں فرماتے ہیں:

يؤذن على مكان مرتفع ليكون صوته ابلغ الى الاسماع ؛كان بلال يؤذن على ظهر بيت امرأة من بني النجار بيتها اطول بيت حول المسجد۔ ترجمہ: اذان اونچی جگہ

سے دی جائے گی تاکہ موذن کی آواز لوگوں تک اچھی طرح پہنچے
؛ کیوں کہ حضرت بلال بنی نجار کی عورت کے اس گھر کی چھت پر اذان
دیتے تھے، جو مسجد سے قریب کے مکانوں میں سب سے اونچا تھا۔

(۲) علامہ ابوالعباس نجم الدین احمد ابن الرافع شافعی (ت ۷۱۰) اپنی کتاب ''کفایة النبیه فی شرف التنبیه'' ج ۲ ص ۴۲۲ میں فرماتے ہیں:

المقصود منه الابلاغ، وهو اذا فعل على موضع عال ابلغ۔ اذان کا مقصد لوگوں کو نماز کی اطلاع دینا ہے۔ اور اونچی جگہ سے دینے میں اچھی طرح اطلاع ہوگی۔

(۳) علامہ زین الدین احمد شافعی (ت ۹۸۷ھ) اپنی کتاب ''فتح المعین'' شرح ''قرة العین بمهمات الدین'' ص ۱۵۳ میں فرماتے ہیں:

سن۔ ۔۔۔ان یؤذن علی موضع عال ولو لم یکن للمسجد منارة سن بسطحه ثم ببابه۔ ترجمہ: سنت یہ ہے کہ اذان اونچی جگہ سے دی جائے۔ مسجد کے پاس منارہ نہ ہو تو سنت یہ ہے کہ سطح مسجد پر ہی دے، اس کی بھی صورت نہ ہو تو دروازۂ مسجد سے دے۔

مالکی فقیہ کا ارشاد:

(۱) حضرت علامہ موفق بن قدامہ اپنی کتاب ''المقنع'' میں لکھتے ہیں:

ویؤذن قائما متطهرا، علی موضع عال۔ ترجمہ: باوضو کھڑے ہو کر بلند جگہ سے اذان دی جائے۔

اذان جس جگہ دی جائے اس جگہ کو عربی زبان میں مئذنہ کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفا کے زمانوں میں اس کی کوئی خاص شکل نہیں تھی۔ امیر معاویہ کے زمانے

ہیں اسے خاص شکل دی گئی اور منارہ سے تعبیر کیا گیا۔

طحطاوی علی المراقی مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ ص ۱۹۲ میں ہے:

والمئذ نة بکسر المیم، و سکون الھمزۃ المنارۃ۔۔۔۔ کمافی المصباح وھی محل التاذین،۔۔۔۔۔ واول من احدثھابالمساجد سلمة بن خلف الصحابی رضی اللہ تعالی عنه، وکان امیرا علی مصر فی زمن معاویة ۔ترجمہ: مصباح میں ہے کہ: میم کے کسرہ اور ہمزہ کے سکون کے ساتھ **مِئذنہ** ہی **منارہ** ہے۔یعنی اذان دینے کی جگہ۔ مسجدوں میں سب سے پہلے امیر معاویہ کے زمانہ میں امیر مصر سلمہ بن خلف صحابی نے بنوایا۔

چاروں مذہب میں ہر نماز کی اذان اونچی جگہ سے دینا سنت ہے:

ان روایتوں میں چوں کہ مطلق فرض نماز کی اذان کا تذکرہ ہے، کسی کی تخصیص نہیں۔اس لیے فقہائے کرام نے بھی کسی کی تخصیص کیے بغیر **مئذ نہ اور منارہ** پر اذان دینے کو سنت قرار دیا ہے۔

فقہائے احناف کے ارشادات:

(۱) ''تبیین الحقائق'' شرح کنز الدقائق مطبوعہ زکریا بک ڈپو ج ۱ ص ۲۴۶ میں ہے:

السنة ان یکون الاذان فی المنارۃ ۔ترجمہ: سنت یہ ہے کہ اذان منارہ میں ہو۔

(۲) بحر الرائق ج ۱ ص ۴۵۴ میں علامہ ابن نجیم مصری نے بھی یہی فرمایا ہے:

السنة ان یکون الاذان فی المنارۃ ۔ترجمہ: سنت یہ ہے کہ اذان منارہ میں ہو۔

مالکی عالم دین کا ارشاد:

علامہ ابن الحاج ابوعبداللہ محمد بن محمد عبدری فاسی نے (ستـــ ۷۳۷ھ) نے "المدخل" ج ۲ ص ۲۴۵، فصل "فی النھی عن الاذان فی المسجد" میں فرمایا ہے:

وقد تقدم ان للاذان ثلثة مواضع المنار وعلى سطح المسجد وعلى بابه ۔ترجمہ: یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ اذان کہنے کی تین جگہیں ہیں (۱) منارہ (۲) مسجد کی چھت (۳) مسجد کا دروازہ۔

چاروں مذاہب حقہ:

علامہ عبدالرحمٰن جزیری کی "الفقہ علی المذاہب الاربعة" ج ۱ ص ۶۸۶ میں ہے:

ان یؤذن بمکان عال کالمنارة وسقف المسجد ۔
ترجمہ: اذان اونچی جگہ سے دی جائے جیسے منارہ اور مسجد کی چھت۔

اسی لیے فقہائے عظام نے کسی بھی نماز کی اذان کو خاص کیے بغیر عمومی طور پر مسجد میں اذان دینے سے ممانعت فرمائی ہے۔

فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ دیوبند ج ۱ ص ۵۱، بحرالرائق ج ۱ ص ۴۴۴، فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۱۲ میں ہے:

لا یؤذن فی المسجد ۔نماز کی کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے

خاص جمعہ کی اذان:

جمعہ کی اذان، جس کا بیان قرآن کریم کے سورۂ جمعہ کی آیت ۹ میں ہے:

اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ
۔ترجمہ: جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو تو اللہ کے ذکر کے لیے دوڑ پڑو"

اس کے تعلق سے بخاری شریف ج ۱ ص ۱۲۴ میں جو حدیث محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی

ذئب نے اپنے استاذ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری سے بحوالہ حضرت سائب بن یزید روایت کی ہے

"کان النداء یوم الجمعة اولہ اذا جلس الامام علی المنبر علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر۔ (ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر کے زمانوں میں امام جب منبر پر بیٹھ جاتے تو اذان ہوتی"

اس روایت میں اگرچہ یہ بیان نہیں ہوا ہے کہ یہ اذان کہاں ہوتی تھی؟ مگر ابوداؤد شریف میں محمد بن اسحاق نے اپنے استاذ محمد بن شہاب الزہری سے بحوالہ صحابی رسول سائب بن یزید روایت کی ہے:

"قال: کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالی عنہما۔ (ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر کے زمانوں میں امام جب منبر پر بیٹھ جاتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی"

اس روایت میں ہے کہ یہ اذان امام کے سامنے، مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔

تفسیر جلالین ص ۴۶۰ کے حاشیہ پر ہے:

المراد بہ الاذان عند قعود الامام علی المنبر، وذالک لانہ لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نداء سواہ، فکان لہ مؤذن واحد، اذا جلس صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر اذن علی باب المسجد، فاذا نزل اقام الصلاۃ، ثم کان ابوبکر وعمر وعلی بالکوفة علی ذالک الخ۔ ترجمہ: اس ندا سے مراد امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت

میں اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی مؤذن تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے ،تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان کہتے ،جب حضور منبر سے اترتے تو مؤذن اقامت کہتے۔ پھر ابوبکر وعمر اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہم بھی اسی طریقے پر عمل کرتے رہے۔

تفسیر صاوی ج ٦ ص ۱۱۱ میں ہے:

(واذا نودی للصلاۃ) المراد به الاذان عند جلوس الخطیب علی المنبر، وذالک لانه لم یکن فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم نداء سواه، فکان له مؤذن واحد، اذا جلس صلی الله علیه وسلم علی المنبر اذن علی باب المسجد، فاذا نزل اقام الصلاة، ثم کان ابوبکر وعمر وعلی بالکوفة علی ذالک الخ۔ ترجمہ: اس ''ندا'' سے مراد امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت میں اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ کے ایک ہی مؤذن تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان کہتے ،جب حضور منبر سے اترتے تو مؤذن اقامت کہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر وعمر اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہم بھی اسی طریقے پر عمل کرتے رہے۔

علامہ خازن تفسیر لباب التاویل مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ،بیروت (۷۲۵) ج ۴ ص ۲۹۰ میں لکھتے ہیں:

(اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعة) ۔۔۔۔ اراد بهذا النداء الاذان عند قعود الامام علی المنبر للخطبة لانه لم یکن فی عهد رسول الله صلی الله علیه

و سلم نداء سواه، کان اذا جلس صلی الله علیه و سلم علی المنبر اذن بلال ۔۔۔۔ ولا بی داؤد قال: کان یؤذن بین یدی النبی صلی الله علیه و سلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد ۔ ترجمہ: اس ''ندا'' سے مراد خطبہ کے لیے امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت میں جمعہ کے لیے اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے تو حضرت بلال اذان کہتے ۔۔۔۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ بار ہوتے تو حضرت بلال آپ کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان دیتے ۔

امام رازی شافعی تفسیر کبیر ج ۳۰ ص ۵۴۲ میں فرماتے ہیں:

وقوله تعالی: اذا نودی یعنی النداء اذا جلس الامام علی المنبر یوم الجمعة وهو قول مقاتل، وانه کما قال؛ لانه لم یکن فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم نداء سواه، کان اذا جلس علیه الصلاة والسلام علی المنبر اذن بلال علی باب المسجد، وکذا علی عهد ابی بکر وعمر ۔ ترجمہ: ''اذا نودی'' سے جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان مراد ہے ۔ اور بے شک یہی مراد ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت میں جمعہ کے لیے اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر رونق افروز ہوتے تو حضرت بلال مسجد کے دروازے پر اذان کہتے ۔ ابوبکر وعمر کے زمانوں میں بھی ایسا ہی ہوا ۔

تفسیر کشاف ج ۶ ص ۱۱۲ میں ہے:

المراد به الاذان عند قعود الامام علی المنبر وقد کان

لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد ------ فاذا نزل اقام للصلاۃ ثم کان ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما علی ذالک۔ ترجمہ: اس سے مراد امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی مؤذن تھے جو آپ کے منبر پر جلوہ افروزی کے بعد مسجد کے دروازے پر اذان دیتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے تو وہ اقامت کہتے۔ حضرت ابو بکر و عمر کے زمانوں میں بھی ایسا ہی ہوا۔

تفسیر غرائب القرآن معروف بہ تفسیر نیشاپوری ج ٦ ص ٣٠٠ میں ہے:

و قدکان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام للصلاۃ الخ۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی موذن تھے جو آپ کے منبر پر جلوہ افروزی کے بعد مسجد کے دروازے پر اذان دیتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترتے تو وہ اقامت کہتے۔ حضرت ابو بکر و عمر کے زمانوں میں بھی ایسا ہی ہوا۔

تفسیر بحر المحیط لابی حیان ٨ ص ٢٦٥ میں ہے:

وکان الاذان عند قعود الامام علی المنبر وکذالک کان فی زمان الرسول علیہ السلام کان اذا صعد علی المنبر اذن علی باب المسجد۔ ترجمہ: امام کے منبر پر بیٹھتے وقت اذان ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک میں ایسا ہی ہوتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوتے تو مسجد کے دروازے پر اذان دی جاتی۔

تفسیر سراج المنیر ج ٤ ص ٢٨٥، ٢٨٤ میں ہے:

(واذا نودی للصلاۃ) المراد بہ الاذان عند جلوس الخطیب علی المنبر، وذالک لانہ لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نداء سواہ، فکان لہ مؤذن واحد، اذا جلس صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر اذن علی باب المسجد، فاذا نزل اقام الصلاۃ، ثم کان ابو بکر و عمر و علی بالکوفۃ علی ذالک الخ۔ ترجمہ: اس ندا سے مراد امام کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت میں اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ کے ایک ہی مؤذن تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان کہتے، جب حضور منبر سے اترتے تو اقامت کہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر و عمر اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہم بھی اسی طریقے پر عمل کرتے رہے۔

تفسیر جمل ج ۴ ص ۳۴۳ میں ہے:

المراد بہ الاذان عند قعود الخطیب علی المنبر؛ لانہ لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نداء سواہ، فکان لہ موذن واحد، اذا جلس صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر اذن علی باب المسجد، فاذا نزل اقام الصلاۃ، ثم کان ابو بکر و عمر و علی بالکوفۃ علی ذالک الخ۔ ترجمہ: اس ندا سے مراد خطیب کے منبر پر بیٹھتے وقت کی اذان ہے؛ کیوں کہ عہد رسالت میں اس کے سوائے کوئی اور اذان تھی ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ کے ایک ہی مؤذن تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے، تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان کہتے، جب حضور منبر سے اترتے تو اقامت کہتے۔ پھر ابوبکر و عمر اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہم بھی اسی طریقے پر عمل کرتے رہے۔

کشف الغمہ للشعرانی میں ص ۲۱۰، ۲۱۱ ہے:

ولم یکن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مکان التجمیع غیر مؤذن واحد یوذن اذا جلس النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر ویقیم اذا نزل وکان الاذان علی باب المسجد۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی موذن تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے تو موذن اذان دیتے ، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اترتے تو وہ اقامت کہتے۔ یہ اذان مسجد کے دروازے پر ہوا کرتی۔

لیکن ، جن حضرات تک محمد بن اسحق کی یہ روایت نہیں پہنچی۔ یا۔ پہنچی تو انہوں نے اسے محمد بن مسلم کے دوسرے شاگردوں کے برخلاف محمد بن اسحاق کی زیادتی سمجھ کر قابل عمل نہیں گردانا، امام کے سامنے اذان ہونے اور دروازہ پر دئے جانے کو تسلیم نہیں کیا۔ ان کے نزدیک یہ اذان بھی دوسری اذانوں کی طرح مسجد کی چھت۔ یا۔ سطح ہی سے ہوتی رہی ، جس کو انہوں نے منارہ سے تعبیر کیا۔

(۱) مالکی عالم دین علامہ ابن الحاج ابو عبداللہ محمد بن محمد بن محمد عبدری فاسی نے (ت ۷۳۷ھ) نے مدخل ج ۲ ص ۲۰۸ میں لکھا ہے:

"ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار، کذالک کان علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافۃ عثمان رضی اللہ عنھم۔ (ترجمہ) جمعہ کی اذان میں سنت یہ ہے کہ امام منبر پر چڑھے تو موذن منارے پر ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنھم کے ابتدائی دور خلافت میں ایسا ہی تھا۔

(۲) پھر اسی میں فرمایا ہے:

الاذان ۔۔۔۔۔ کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر الخ ۔ ترجمہ: اذان ۔۔۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر کے عہد میں منارے پر اس وقت ہوتی تھی جب خطیب منبر پر ہوتے تھے۔

(۳) مالکی عالم دین علامہ زرقانی نے اپنے ہم مذہب مالکی عالم دین علامہ قسطلانی کی "مواہب اللدنیہ" کی شرح ج ۱۰ ص ۳۹۴ میں فرمایا ہے:

(قال الشیخ الخلیل) ابن اسحاق (فی التوضیح) شرحه علی ابن الحاجب: (اختلف النقل هل کان یؤذن بین یدیه علیه الصلاة والسلام او علی المنار؟ الذی نقله اصحابنا انه کان علی المنار نقله ابن القاسم) عبدالرحمٰن (عن مالک فی المجموعة) اسم کتاب (ونقل ابن عبدالبر فی کافیة) اسم کتاب له فی الفقه (عن مالک ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم) ترجمہ: "شیخ خلیل" بن اسحاق نے "التوضیح" شرح "ابن الحاجب" میں فرمایا ہے: یہ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی یا منارہ پر؟ اس بارے میں نقل مختلف ہے۔ ہمارے اصحاب نے نقل کیا ہے کہ یہ اذان منارہ پر ہوتی تھی۔ ابن القاسم عبدالرحمٰن نے "المجموعہ" میں اور ابن عبدالبر نے "کافیة فی الفقه" میں امام مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ: امام کے سامنے اذان ہونا امر قدیم نہیں ہے۔

(۴) مالکی عالم دین علامہ شیخ یوسف بن سعید بن اسماعیل حاشیہ سفطی "علی شرح ابن [illegible]ل علی العشماویہ" مطبوعہ قاہرہ ص ۱۵۳ میں لکھتے ہیں:

کان الاذان علی المنارۃ فی الزمن القدیم وعلیہ اھل المغرب الی الآن۔ ملتقطاً۔ زمانۂ قدیم میں یہ اذان منارہ پر ہوتی تھی، اہل مغرب کا تو ابھی تک اسی پر عمل ہے۔

(۵) ابوعمر یوسف ابن عبدالبر مالکی (ت ۴۶۳ھ) نے "الکافی فی فقہ اھل المدینۃ" ج۱ ص ۲۵۰ میں فرمایا ہے:

والاذان الواجب لھا: اذا جلس الامام علی المنبر، فان اذن مؤذن فی صومعۃ واذن غیرہ بین یدی الامام فلا بأس لانہ قدعمل بہ قدیمافی المدینۃ۔ والاذان الثانی: اوکدمن الاول وعندہ یحرم البیع۔ وقدقیل: لایجوز البیع من وقت جلوس الامام علی المنبر حتی تصلی الجمعۃ وروی ابن نافع عن مالک: قال: لا بأس بالبیع والشراء بعدالتأذین الاول من یوم الجمعۃ لانہ انماکان تأذینان فزیدالثالث وانمایکرہ البیع والشراء بعدالتأذین الذی بعدقعودالامام ترجمہ: جمعہ کے لیے وہ اذان واجب ہے جوامام کے منبر پر بیٹھتے وقت ہوتی ہے۔ جس مؤذن نے اذان گاہ میں اذان دی ہے، اس کی بجائے دوسرا شخص امام کے سامنے اذان دے تو حرج نہیں؛ کیوں کہ یہ مدینہ منورہ کا قدیم معمول ہے۔ دوسری اذان کی تاکید زیادہ ہے اور اسی وقت سے خرید وفروخت ناجائز ہے۔ بے شک کہا گیا ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت سے لے کر ختم نماز تک خرید وفروخت ناجائز ہے۔ ابن نافع نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ جمعہ کے دن پہلی اذان کے بعد خرید وفروخت کرنے میں حرج نہیں۔ کیوں کہ پہلے اقامت اور ایک ہی اذان تھی۔ بعد میں ایک اذان کا اضافہ ہوا۔ تو خرید وفروخت کی کراہت اسی اذان کے بعد سے ہے

جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد ہوتی ہے۔

(۶) پھر فرمایا ہے:

قال ابن القاسم: سألت مالكا غير مرة فقال: انماهو التأذين الذى هو بعد قعود الامام وهو فى سائر النهار قبل و بعد جائز۔ والخطبة يوم الجمعة قبل الصلاة خطبتان يفصل بينهما بجلسة خفيفة قدر مايقرأ "قل هو الله احد" ويجلس فى اول الخطبة منتظر اللاذان من بين يديه۔ وقال مالك: الاذان بين يدى الامام ليس من الامر القديم۔۔۔۔۔۔ ابن القاسم نے کہا ہے کہ میں نے اسے امام مالک سے بارہا پوچھا، ہر مرتبہ آپ نے یہی جواب دیا کہ خرید وفروخت کی کراہت امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد والی اذان کے وقت سے ہے۔ اس سے پہلے بھی جائز ہے اور بعد میں بھی ۔۔۔۔۔۔ اور امام مالک نے فرمایا کہ امام کے سامنے اذان دینا قدیم کا معمول بہ نہیں ہے۔

اور جن حضرات تک محمد بن اسحاق کی یہ روایت پہنچی اور انہوں نے اُن کو قابل اعتماد سمجھ کر ان کی اِس زیادتی کو قبول فرمایا، انہوں نے اِس اذان کا امام کے سامنے مسجد کے دروازہ پر ہونے کو تسلیم کیا۔

مالکی فقیہ علامہ محمود بن محمد بن احمد بن خطاب السبکی الازہری ۱۲۷۴۔۱۳۵۲ھ کی "المنهل العذب المورود شرح سنن ابی داؤد" مطبع الاستقامۃ، قاہرہ ج ۶ ص ۲۴۷ میں ہے:

الغرض الذى زاد سيدنا عثمان الاذان لاجله وهوانه لماكثر الناس وانتشرت المنازل كان من عندالزوراء لايسمع

الاذان الذی عند المسجد زادا اذانا علی الزوراء لاسماعهم فاذا اجتمع الناس فی المسجد وجلس الخطیب علی المنبر اذن المؤذن ثانیا خارج المسجد علی الباب او علی السطح کما کان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وھذا الغرض الذی احدث الاذان الثانی من اجلہ فی زمن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ۔ ترجمہ: حضرت عثمان نے زوراء میں ایک اذان کا اضافہ اس لیے کیا تھا کہ لوگ بڑھ گئے تھے اور ان کے گھر دور تک پھیل گئے تھے، جو لوگ زوراء کے پاس تھے وہ مسجد کی اذان سن نہیں پاتے تھے۔ تو آپ نے ان کو خبردار کرنے کے لیے زوراء پر اذان دلوائی۔ پس جب لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے اور خطیب منبر پر بیٹھ جاتا تو موذن دوبارہ مسجد سے باہر دروازہ پر۔ یا۔ چھت پر جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر کے زمانوں میں ہوتی تھی، اذان دیتا۔ الغرض اسی مقصد سے حضرت عثمان نے دوسری اذان دلوائی تھی۔

احناف کے نزدیک چوں کہ محمد ابن اسحاق ثقہ اور معتمد ہیں امام ابو یوسف نے ان کی شاگردی اختیار کی ہے حتی کہ کتاب الخراج ص ۷، ۹، ۱۹، ۲۰ میں ان کی روایت کردہ حدیثوں سے احتجاج کیا ہے۔ اور مجتہد کا کسی راوی کی روایت سے استدلال کرنا اس راوی کی توثیق ہے جیسا کہ مسند امام اعظم ص ۲۴ کے حاشیہ میں ہے:

قد حقق ابن القیم فی زاد المعاد ان اخذ الامام العدل روایة عن رجل توثیق له معتبر۔ ترجمہ: ابن قیم نے زاد المعاد میں ثابت کیا ہے کہ امام عادل کا کسی کی روایت قبول کرنا اس کو ثقہ ماننا اور ان پر اعتبار کرنا ہے۔

بلکہ عظیم محدث وفقیہ، بالغ رتبۂ اجتہاد امام ہمام نے فتح القدیر ج ۱ ص ۲۰۰ میں

مراسا -- ان کی توثیق فرمائی ہے:

توثیق ابن اسحٰق وھو الحق الابلج ۔ترجمہ: ابن اسحاق کو ثقہ ماننا ہی حق واضح ہے۔

ص ۳۵۸ میں فرمایا ہے:

ابن اسحٰق ثقۃ علی ماھو الحق وقدمناہ فی ابواب الطہارۃ ۔حق یہی ہے کہ ابن اسحاق ثقہ ہیں جیسا کہ ہم پہلے ہی ابواب طہارت میں بیان کر چکے۔

ص ۳۷۰ میں فرمایا ہے:

اما ابن اسحٰق فثقۃ ثقۃ لا شبھۃ عندنا فی ذالک ولا عند محققی المحدثین ۔ ابن اسحاق ثقہ ہیں ثقہ ہیں ہمارے نزدیک اس میں کوئی شبہ نہیں، یوں ہی محدثین محققین کے نزدیک بھی کوئی شبہ نہیں۔

ردالمحتار ج ۷ ص ۶۴ میں ہے:

ان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما فی التحریر وغیرہ ۔ترجمہ: مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کو صحیح قرار دینا ہے، جیسا کہ تحریر وغیرہ میں ہے۔

اس لیے احناف یہ مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر کے زمانے میں یہ اذان امام کے سامنے مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی۔

الغرض اذان جہاں سے بھی ہوئی ہو، دیوار مسجد۔یا۔اس کی چھت۔یا۔مسجد کا دروازہ۔یا۔کوئی بھی بلند جگہ، وہی مئذنہ اور منارہ ہے، اور عہد نبوی وعہد صحابہ میں ہمیشہ ان ہی جگہوں سے اذان ہوتی رہی ہے۔اس کے برخلاف ایک بھی ایسی روایت نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ عہد نبوی یا دورِ صحابہ میں کبھی مسجد کے اندر اذان کہی گئی

ہو۔ جب کہ دیوار کی منڈیر ہو۔ یا۔ مکان کی چھت، مسجد کا دروازہ ہو۔ یا۔ اس کی چھت
، سبھی مسجد شرعی یعنی نماز کے لیے متعین کردہ جگہ سے خارج ہیں۔

مسجد کے باہر اذان دینا سنت اور اندر دینا بدعت ومکروہ ہے

تو متفقہ طور پر ثابت ہوا کہ خارج مسجد سے اذان کہنا سنت، اور مسجد کے اندر اذان کہنا سنت کے برخلاف بدعت ومکروہ ہے۔

فقہائے احناف کے ارشادات:

(۱) جامع الرموز مطبوعہ کلکتہ ج ۱ ص ۶۹ میں ہے:

انه یؤذن فی موضع عال وهو سنة کمافی القنیة و بان لا یؤذن فی المسجد فانه مکروه کمافی النظم۔ ترجمہ: اذان اونچی جگہ سے دی جائے، یہی سنت ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے؛ کیوں کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔

(۲) طحطاوی علی المراقی ص ۱۹۷ میں ہے:

یکره ان یؤذن فی المسجد کمافی القهستانی عن النظم ، فان لم یکن ثمه مکان مرتفع للاذان یوذن فی فناء المسجد کمافی الفتح۔ نظم کے حوالہ سے قہستانی میں ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔ کسی مسجد میں، اذان کے لیے اونچی جگہ میسر نہ ہو تو فنائے مسجد میں اذان دی جائے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

(۳۔۴) شارح ہدایہ علامہ اتقانی نے ”غایة البیان“ اور محقق ابن ہمام نے ”فتح القدیر“ مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ ج ۲ ص ۵۶ میں خاص باب جمعہ کے اندر فرمایا ہے:

هو ذکر الله فی المسجد ای فی حدوده لکراهة الاذان فی

داخلہ۔ترجمہ: اذان مسجد میں اللہ کا ذکر ہے، یعنی مسجد کے حدود میں کیوں کہ مسجد کے اندر تو اذان مکروہ ہے۔

مالکی فقہا کے ارشادات:

(۱) علامہ ابن الحاج مالکی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور کتاب مدخل ج ۲ ص ۲۴۵، ۲۴۶ میں فرمایا ہے:

وقد تقدم ان للاذان ثلثة مواضع المنار وعلى سطح المسجد وعلى بابه۔ واذا كان ذالک کذالک فیمنع من الاذان فی جوف المسجد لوجوہ احدھا انه لم یکن من فعل من مضی ــــــ الثانی ان الاذان انما ھو نداء للناس لیأتوا الی المسجد ومن كان فیه فلا فائدة لنداۂ لان ذالک تحصیل حاصل، ومن كان فی بیته فانه لا یسمعه من المسجد غالبا۔ واذا كان الاذان فی المسجد علی ھذہ الصفة فلا فائدة له وما لیس فیه فائدة یمنع ۔ترجمہ: یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ اذان کہنے کی تین جگہیں ہیں (۱) منارہ (۲) مسجد کی چھت (۳) مسجد کا دروازہ۔ اور جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان کہنا کئی وجہوں سے ممنوع ہوگا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ مسجد کے اند اذان دینا پہلے کے لوگوں سے ثابت نہیں ـــــــ دوسری وجہ یہ ہے کہ اذان کا مقصد لوگوں کو مسجد میں بلانا ہے۔ تو جو پہلے ہی سے مسجد میں ہے اسے بلانے کا کوئی فائدہ نہیں کہ یہ تحصیل حاصل ہے اور جو گھر میں ہوگا وہ بالعموم مسجد کے اندر کی آواز سن نہیں پائے گا۔ غرض مسجد کے اندر اذان دینے میں جب ایسا ہوگا تو اذان دینا بے فائدہ ہو جائے گا۔ اور جس کام

میں فائدہ نہ ہو وہ ممنوع ہوگا۔

(۲) پھر ص ۲۰۸ پر فرمایا ہے:

ان السنة فی اذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون الموذن علی المنار، کذالک کان علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافة عثمان رضی الله عنهم ------ ثم زاد عثمان بن عفان رضی الله عنه اذانا آخر بالزوراء وهو موضع بالسوق لما ان کثر الناس وابقی الاذان الذی کان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذذاک ثم انه لما ان تولی هشام بن عبد الملک اخذ الاذان الذی فعله عثمان بن عفان رضی الله عنه بالزوراء وجعله علی المنار وکان الموذن واحدا یوذن عند الزوال ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافة عثمان رضی الله عنهم، بین یدیه۔ وکانوا یوذنون ثلاثة فجعلهم یوذنون جماعة ویستریحون۔ قال علمائنا رحمة الله علیهم وسنة النبی صلی الله علیه وسلم اولی ان تتبع۔ فقد بان ان فعل ذالک فی المسجد بین یدی الخطیب بدعة وان اذانهم جماعة ایضا بدعة اخری۔ فتمسک بعض الناس بهاتین البدعتین وهما مما احدثه هشام بن عبد الملک کما تقدم۔ ثم تطاول الامر علی ذالک حتی صار بین الناس کانه سنة معمول بها۔ (ترجمہ) جمعہ کی اذان میں سنت یہ ہے کہ امام جب ممبر پر چڑھے

تو موذن منارے پر ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ابتدائی دور خلافت میں ایسا ہی تھا۔۔۔۔۔۔۔

پھر جب لوگ بڑھ گئے تو حضرت عثمان نے ایک اذان مقام زورا میں دلوائی۔ اور وہ اذان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر کے عہد میں منارے پر اس وقت ہوتی تھی جب خطیب منبر پر ہوتے تھے، اسے باقی رکھا۔ پھر جب ہشام بن عبدالملک کی حکومت ہوئی، تو وہ اذان جسے عثمان رضی اللہ عنہ نے بازار میں مقام 'زورا' پر دلوائی تھی، اسے منارے پر کر دیا اور ایک ہی موذن سورج ڈھلنے پر اذان دینے لگا۔ پھر وہ اذان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ابتدائی دور خلافت میں امام کے ممبر پر آنے کے وقت منارے پر ہوتی تھی، امام کے سامنے کر دیا۔۔ تین موذن تھے جو ایک ساتھ اذان دیتے تھے۔ ہمارے علما نے فرمایا ہے کہ: نبی کی سنت ہی اتباع کے زیادہ لائق ہے۔ تو ظاہر ہو گیا کہ خطیب کے سامنے مسجد کے اندر اذان دینا بدعت ہے اور جماعت کے ساتھ اذان دینا دوسری بدعت ہے ۔بعض لوگ ان دونوں بدعتوں پر عمل کرنے لگے حالانکہ یہ دونوں بدعتیں ہشام بن عبدالملک نے ایجاد کی ہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ پھر اسی پر ایک زمانہ گذرا تو ایسا ہو گیا جیسے یہی معمول بہا سنت ہو۔

(۳) حضرت علامہ شیخ یوسف بن سعید بن اسماعیل نے حاشیہ سفطی ص ۱۵۳ میں فرمایا ہے:

الاذان الثانی ای الذی یفعل عند جلوس الخطیب علی المنبر وسماہ ثانیا باعتبار الفعل وان کان اولا فی المشروعیۃ والحاصل ان البیع حرام عند الاذان الثانی

سواء کان الاذان علی المنارۃ کما کان فی الزمن القدیم وعلیہ اھل المغرب الی الآن او کان بین یدی الامام کما ھو فی بلاد نا الآن الاان فعلہ بین یدی الامام مکروہ کما نص علیہ برزلی وقد نھی عنہ مالک واما فعلہ علی المنارۃ والامام جالس فھو المشروع۔ انتھی سکندری۔ ترجمہ: مشروعیت کے لحاظ جواذان اول ہے اور فعل کے اعتبار سے ثانی کہلاتی ہے یعنی خطیب کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے، اسی کے وقت سے خرید وفروخت حرام ہے، چاہے منارہ پر ہو جیسا کہ زمانۂ قدیم میں معمول تھا اور اہل مغرب اب بھی اسی پر عمل پیرا ہیں۔ یا۔ امام کے سامنے ہو جیسا کہ اب ہمارے شہروں میں ہونے لگی ہے۔ جبکہ امام کے سامنے دینا مکروہ ہے جیسا کہ علامہ ’برزلی‘ نے اس پر تنصیص کی ہے۔ اور امام مالک نے منع فرمایا ہے۔ الغرض امام منبر پر بیٹھا ہو تو منارہ پر اذان دینا ہی شریعت کے موافق ہے۔

(۴) ابوالولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی مالکی (ت ۵۲۰ھ) نے ’’البیان والتحصیل‘‘ ج۱ ص ۲۴۳ میں لکھا ہے:

مسئلۃ: وسئل۔۔۔ أیوذن قدامہ؟ قال: لا، ۔۔۔۔۔۔۔ فانما یوذن فوق المنارۃ۔ قال محمد بن رشد۔۔۔۔۔۔ والاذان بین یدی الامام مکروہ لانہ محدث، ولذالک نھی عنہ مالک،۔ واول من احدثہ ھشام بن عبدالملک ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فنقل الاذان الذی کان بالزوراء الی المدینۃ، ونقل الاذان الذی فی المدینۃ بین یدیہ، وامرھم ان یؤذنوا معا، وتلاہ علی ذالک من بعد من الخلفاء الی زماننا وھو بدعۃ والذی کان یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم والخلفاء الراشدون بعده وهو السنة، ترجمہ: مسئلہ: سوال ہوا کہ کیا امام کے سامنے اذان دی جائے ؟ فرمایا: نہیں، ------- اذان منارہ پر دی جائے --- محمد بن رشد نے فرمایا ہے ------: امام کے سامنے اذان مکروہ ہے کیوں کہ بدعت ہے۔ اسی وجہ سے امام مالک نے اسے منع فرمایا ہے ------ یہ بدعت سب سے پہلے ہشام بن عبدالملک نے ایجاد کی ------- وہ حضرت عثمان کی اضافہ کردہ زوراوالی اذان کو وہاں سے منتقل کر کے مدینہ میں لے آیا اور جو اذان مدینہ میں (امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد) ہوتی تھی، امام کے سامنے کر دیا۔ اور حکم دیا کہ کئی موذن ایک ساتھ اذان کہیں۔ اس کے بعد ہمارے زمانہ تک جتنے خلفا نے یہی کرتے آئے، حالانکہ یہ بدعت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین جو کرتے رہے وہی سنت ہے۔

(۵) ابراہیم بن موسی بن محمد الشاطبی المالکی کی (ت ۷۹۰) کتاب "الاعتصام، ج ۲ ص ۳۰۲، الباب الخامس فی احکام البدع الحقیقیة والاضافیة والفرق بینهما میں ہے:

[نقل الاذان من المنار يوم الجمعة وجعله امام الامام مكروه] ونقل الاذان يوم الجمعة من المنار وجعله قدام الامام۔ ففی "سماع ابن القاسم" ------ واحتج علی ذالک بفعل اهل المدينة۔ قال ابن رشد: الاذان بين يدی الام فی الجمعة مكروه لانه محدث، قال: واول من احدثه هشام ابن عبدالملك، ------- فنقل الاذان الذی كان بالزوراء الی المشرفة، ونقل الاذان الذی كان بالمشرفة بين يديه

،وامرهم ان یؤذنوا معا، وتلاه علی ذالک من بعده من الخلفاء الی زماننا هٰذا، قال ابن رشد: وهو بدعة۔ قال: والذی فعله رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم والخلفاء الراشدون بعده هو السنة ۔ترجمہ: جمعہ کے دن منارے سے اذان کو منتقل کر کے امام کے سامنے کر دینا مکروہ۔ ’’سماع ابن القاسم‘‘ میں ہے :

------اور اس پر اہل مدینہ کے فعل سے استدلال فرمایا ہے۔ ابن رشد نے کہا ہے کہ: جمعہ کے دن امام کے سامنے اذان دینا مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ بدعت ہے۔ فرمایا: سب سے پہلے اس کی ایجاد ہشام بن عبدالملک نے کی۔ وہ حضرت عثمان کی اضافہ کردہ زوراوالی اذان کو وہاں سے منتقل کر کے مدینہ میں لے آیا اور جو اذان مدینہ میں (امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد) ہوتی تھی، امام کے سامنے کر دیا۔ اور حکم دیا کہ کئی موذن ایک ساتھ اذان کہیں۔ اس کے بعد ہمارے زمانہ تک جتنے خلفا بنے یہی کرتے آئے، حالانکہ یہ بدعت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین جو کرتے رہے وہی سنت ہے۔

(۶) اسی میں ہے:

وذكر ابن حبيب: ما كان من فعله عليه السلام وفعل الخلفاء بعده كما ذكره ابن رشد، وكانه نقله من كتابه ،وذكر قصة هشام، ثم قال: والذی كان من فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم هو السنة ،وقد حدثنی اسد بن موسی عن یحی بن سليم عن جعفر بن محمد يحدث عن ابيه عن جابر بن عبدالله: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فی خطبته: افضل الهدى هدى محمد، وشر الامور محدثاتها

وكل بدعة ضلالة ۔اور ابن حبیب نے بیان کیا کہ: ابن رشد نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین جو کرتے رہے وہی (یعنی مسجد سے باہر اذان) سنت ہے۔ مجھ سے اسد بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے یحیٰ بن سلیم سے روایت کی، انہوں نے جعفر بن محمد سے روایت کی، انہوں نے اپنے والد (محمد) سے روایت کی، انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا: عمدہ ترین طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے۔ سب سے برا کام دین میں سنت کو بدل دینا ہے اور ہر بدعت (سنت کو بدل دینا) گمراہی ہے۔

(۷) پھر اسی میں ہے:

وماقاله ابن حبيب من ان الاذان عند صعود الامام على المنبر كان باقياً الى زمان عثمان رضى الله عنه موافق لما نقله ارباب النقل الصحيح، وان عثمان لم يزد على ماكان قبله الا الاذان على الزوراء، فصار اذن نقل هشام الاذان المشروع فى المنار الى مابين يديه بدعة فى ذالك المشروع

۔ابن حبیب نے جو یہ کہا ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھتے وقت اذان عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک باقی رہی، یہ ارباب نقل صحیح کی نقل کے موافق ہے۔ حضرت عثمان نے زوراء پر ایک اذان کے اضافے کے علاوہ کچھ نہیں کیا تھا۔ لہٰذا اذان جو منارے پر ہی مشروع ہے، ہشام کا اسے منتقل کر کے امام کے سامنے کر دینا اس مشروعیت میں تبدیلی کر دینا ہوا۔

(۸) امام ابن الحاج مکی کی المدخل ج ۲ ص ۲۰۷ میں ہے:

ان السنة فی اذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذالک کان علی عهد النبی صلی الله علیه و سلم وابی بکر و عمر، و صدرا من خلافة عثمان رضی الله عنهم، ـــــ ثم زاد عثمان بن عفان رضی الله عنه اذانا آخر بالزوراء، ـــ لما ان کثر الناس، وابقی الاذان الذی کان علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنار ، والخطیب علی المنبر اذ ذاک ـــ ثم انه لما ان تولی هشام بن عبد الملک اخذ الاذان الذی فعله عثمان بن عفان رضی الله عنه بالزوراء، وجعله علی المنار ، وکان المؤذن واحدا یوذن عند الزوال، ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی الله علیه و سلم وابی بکر و عمر و صدرا من خلافة عثمان رضی الله عنهم بین یدیه، ـــــــ قال علماؤنا رحمة الله علیهم: و سنة النبی صلی الله علیه و سلم اولی ان تتبع، فقد بان ان فعل ذالک فی المسجد بین یدی الخطیب بدعة، ـــــ ثم تطاول الامر علی ذالک حتی صار بین الناس کانه سنة معمول بها ـــ هٰذا ما هو من طریق النقل واما ما هو من طریق المعنی ؛ فلان الاذان انما هو نداء الی الصلاة و من هو فی المسجد لا معنی لندائه اذ هو حاضر و من هو خارج المسجد لا یسمع النداء اذا کان النداء فی المسجد، هذا وجه ـــ ترجمہ: امام جب منبر پر چڑھے تو اذان جمعہ میں سنت یہ ہے کہ موذن ((مسجد سے باہر) منارے پر ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر اور حضرت

عثمان کے ابتدائی دور خلافت میں بھی ہوتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پھر جب لوگ بڑھ گئے تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے زوراءمیں دوسری اذان کا اضافہ کیا۔۔۔۔۔۔ اور خطیب کے ممبر پر بیٹھتے وقت کی اذان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں (مسجد سے باہر) منارے پر ہوتی تھی، حسب سابق وہیں رہنے دیا۔ پھر جب ہشام بن عبدالملک والی ہوا تو حضرت عثمان بن عفان کی زوراءمیں اضافہ کردہ اذان کو منارے پر کردیا۔۔ اس زمانے میں موذن ایک ہی تھا جو سورج ڈھلنے پر اذان دیتا۔ پھر ہشام نے وہ اذان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنھم کے زمانوں میں امام کے ممبر پر بیٹھتے وقت منارے پر ہوتی تھی، امام کے سامنے کردیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہمارے (مالکی) علمانے فرمایاہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی زیادہ قابل اتباع ہے۔تو بے شک واضح ہوگیا کہ خطیب کے سامنے مسجد کے اندر اذان دینا بدعت ہے۔۔ پھر یہی طریقہ اس طرح مروج ہوگیا جیسے یہ بدعت ہی سنت متوارثہ ہو۔۔۔۔۔۔ یہ دلیل نقلی ہوئی۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ اذان نماز کے لیے بلانے کا نام ہے اور جو مسجد ہی میں ہو اسے بلانے کے کوئی معنی نہیں کیوں کہ وہ تو حاضر ہی ہے۔ البتہ جو مسجد سے خارج ہے، مسجد کے اندر اذان ہو تو نہیں بھی سن سکتا ہے۔ اور یہ معقول وجہ ہے۔

شافعی فقہا کے ارشادات:

(۱) حضرت زین الدین احمد شافعی (ت ۹۸۷ھ) کی فتح المعین بشرح قرۃالعین بمہمات الدین ص ۱۵۳ میں ہے:

(وسن فیهما) ای فی الاذان والاقامة قیام وان یؤذن

علی (موضع عال) ولو لم یکن للمسجد منارۃ سن بسطحہ ثم ببابہ۔ ترجمہ: کھڑے ہوکر اذان واقامت کہنا سنت ہے۔ اور اذان میں یہ بھی سنت ہے کہ اونچی جگہ سے دی جائے۔ اگر مسجد کے پاس منارہ نہ ہو تو سطح سے۔ یا۔ دروازہ سے دینا سنت ہے۔

(۲) ابوالعباس نجم الدین احمد بن محمد ابن الرافع (ت ۷۱۰) کی ''کفایۃ النبیہ فی شرح التنبیہ'' ج ۲ ص ۴۲۲ میں ہے:

قال: وان یوذن علی موضع عال، لما روی (ابن الزبیر) عن امرأۃ من بنی نجار ------- ولان المقصود منہ الابلاغ، وھو اذا فعل علی موضع عال ابلغ۔ ترجمہ: فرمایا: اونچی جگہ سے اذان دی جائے؛ کیوں کہ ''ابن زبیر'' نے بنی نجار کی ایک عورت سے روایت کی ہے ------- اور اس لیے بھی کہ اذان سے مقصود ابلاغ ہے جو اونچی جگہ سے دینے میں بدرجہ اتم ہوگا۔

(۳) حضرت امام ابومحمد حسین بن مسعود بغوی (ت ۵۱۶) نے ''التھذیب'' ج ۲ ص ۳۹ میں فرمایا ہے:

ویستحب ان یؤذن علی مکان مرتفع، لیکون صوتہ ابلغ الی الاسماع؛ کان بلال یوذن علی ظھر بیت امرأۃ من بنی النجار بیتھا اطول بیت حول المسجد۔ ترجمہ: مستحب ہے کہ اونچی جگہ سے اذان دی جائے تاکہ آواز اچھی طرح سنی جائے۔

حنبلی فقہا کے ارشادات:

(۱) علامہ محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج (ت ۷۶۳) ''الفروع'' ج ۲ ص ۱۳ پر فرماتے ہیں:

وفی النصیحۃ: السنۃ ان یوذن بالمنارۃ ویقیم اسفل
، وروی ابو حفص عن عبد اللہ بن شقیق قال: من
السنۃ ذالک۔ ترجمہ: ''النصیحۃ'' میں ہے کہ: سنت یہ ہے کہ اذان
منارے پر دی جائے اور اقامت نیچے۔ ابو حفص نے عبد اللہ بن شقیق
سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ سنت ہے۔

(۲) موسیٰ بن احمد بن موسیٰ بن سالم بن عیسیٰ بن سالم حجاوی (ت ۹۶۸ھ) الاقناع
فی فقہ الامام احمد ج ۱ ص ۷۸ میں فرماتے ہیں:

ویسن علی موضع عال مستقبل القبلۃ۔ ترجمہ: قبلہ
رو بلند جگہ پر اذان کہنا سنت ہے۔

(۳) امام موفق بن قدامہ نے ''المقنع'' میں فرمایا ہے:

ویوذن قائما متطھرا، علی موضع عال۔ ترجمہ: باوضو اونچی
جگہ پر کھڑے ہو کر اذان کہے۔

(۴) ابراہیم بن مفلح (ت ۸۸۴ھ) نے اس کی شرح ''المبدع'' ج ۲ ص ۲۸۱
میں فرمایا ہے:

لانہ اعلام الغائبین ترجمہ: کیوں کہ اذان غیر موجود
لوگوں کو اطلاع دینے کے لیے ہے۔

(۵) پھر اسی میں ہے:

(علی موضع عال) ای مرتفع کالمنارۃ ونحوھا الحدیث
رواہ ابوداؤد، ولانہ ابلغ فی الاعلام فلو خالف صح وکرہ
کالخطبۃ (مستقبل القلۃ) لماروی ابوداؤد مرسلا ان الذی
راہ عبد اللہ بن زید استقبل، واذن، وحکی ابن
المنذر الاجماع علی انہ من السنۃ، ولانہا اشرف الجہات

فلو خالف فکالذی قبلہ۔ ترجمہ: اونچی جگہ جیسے منارہ وغیرہ سے اذان دی جائے جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے۔ اور اس لیے بھی کہ اس سے اطلاع اچھی طرح ہوگی۔ اس کے خلاف ہو تو اذان اگرچہ ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی۔ جیسے خطبہ اونچی جگہ سے نہ ہو تو مکروہ ہے۔ قبلہ رو ہو کر اذان دی جائے؛ اس لیے کہ ابوداؤد نے مرسلاً روایت کی ہے کہ عبداللہ بن زید نے (خواب میں جس فرشتہ) کو اذان دیتے دیکھا تھا، وہ قبلہ رو تھا۔ ابن منذر نے اس کے سنت ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ اور اس لیے بھی کہ قبلہ کی جہت اشرف الجہات ہے۔ اس کے برخلاف ہونا اسی طرح (مکروہ) ہے جس طرح اونچی جگہ سے نہ ہونا۔

خلاصہ یہ کہ حنفی، شافعی، مالکی حنبلی چاروں مذہبوں میں مسجد سے باہر اذان دینا سنت اور اندر اذان دینا بدعت و مکروہ ہے۔ اسی وجہ سے علامہ عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری نے اپنی کتاب "الفقه علی المذاهب الاربعة" ج ا ص ۲۸۶ میں لکھا ہے:

مندوبات الاذان و سننته: ویندب فی الاذان امور منها ان یکون المؤذن متطهرا من الحدثین وان یکون حسن الصوت مرتفعة وان یؤذن بمکان عال کالمنارة وسقف المسجد۔ ترجمہ: اذان کے مستحبات اور سنتیں: اذان کے لیے کئی چیزیں مستحب ہیں: موذن کا باوضو ہونا، بلند اور اچھی آواز والا ہونا، بلند مکان جیسے منارہ اور مسجد کی چھت پر ہونا۔

مولانا انور شاہ کشمیری کا فیصلہ کن اعتراف:

علمائے دیوبند اس اذان کو داخل مسجد دینے اور دلانے کے سلسلہ میں بہت متشدد ہیں مگر علامہ انور شاہ کشمیری "فیض الباری علی صحیح البخاری" ج ۲

ص ۴۳۲ میں حدیث ۹۱۰ کے تحت یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ:

كان الاذان فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم و صاحبیه واحد، ولعله كان خارج المسجد كما عند ابی داؤد فاذا كثر الناس زاد اذانا آخر علی الزوراء خارج المسجد ليمتنع الناس عن البيع والشراء۔ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر کے زمانوں میں ایک ہی اذان تھی اور اندازہ ہے کہ وہ خارج مسجد ہوتی تھی جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے۔ جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تو مسجد سے باہر زورا پر ایک اذان کا اضافہ ہوا تا کہ لوگ خرید وفروخت چھوڑ دیں۔

اس کے بعد کہا:

ثم اذا تسلط بنو امية نقلوا الثالث على المنارة والذی كان عهد النبی صلی الله علیه وسلم جعلوه فی المسجد امام الامام ولم اجد علی كون هذا الاذان داخل المسجد دليلا عند المذاهب الاربعة الا ما قال صاحب الهداية انه جری به التوارث ثم نقله الآخرون ايضا ففهمت منه انهم ليس عندهم دليل غير ما قاله صاحب الهداية ولذا يلجئون الی التوارث۔ ترجمہ: پھر جب حکومت پر بنوامیہ کا تسلط ہوگیا تو انہوں نے زورا میں حضرت عثمان کی اضافہ کردہ اذان کو منارہ پر منتقل کردیا اور جو اذان عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتی تھی اسے امام کے سامنے مسجد میں کردیا۔ مجھے تو اس اذان کے داخل مسجد ہونے پر چاروں اماموں میں سے کسی امام کے ہاں کوئی دلیل نہیں ملی۔ سوائے اس کے کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے ''اسی پر توارث جاری ہوگیا''۔ پھر ہدایہ ہی

سے دوسروں نے بھی اسے نقل کیا۔ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ جو لوگ یہ
کہتے ہیں کہ اذان اندرون مسجد ہونی چاہیے ان کے پاس صاحب ہدایہ
کے ''اسی پر توارث ہوگیا'' کہنے کے سوائے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی وجہ
سے یہ لوگ توارث کا سہارا لینے پر مجبور ہوئے ہیں۔

جب کہ علمائے دیوبند کو صاحب ''ہدایہ'' کی عبارت سے اذان کو اندرون مسجد سمجھنے
میں خطا ہوئی ہے۔ ''هدايه'' کے متن میں ہے:

واذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بين يدى
المنبر ترجمہ: امام جب منبر پر آئے تو بیٹھ جائے اور موذن حضرات
منبر کے سامنے اذان دیں۔

اس پر صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے: بذالك جرى التوارث ۔ ترجمہ: اسی
پر ''توارث'' ہوگیا ہے۔ جو دراصل ابوداؤد شریف کی مندرج حدیث:

فلما كان خلافة عثمان، وكثر الناس امر عثمان يوم
الجمعة بالاذان الثالث، فاذن به على الزورا، فثبت الامر على
ذالك ۔ ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لوگ بڑھ
گئے تو آپ نے زورا پر ایک اذان کا اضافہ کر دیا۔ پس اسی پر عمل قائم
ہوگیا۔

کی ترجمانی ہے۔

شرح وقایہ کے محشی مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی ''عمدۃ الرعایۃ'' میں لکھا ہے:

قوله (بين يديه) اى مستقبل الامام، فى المسجد كان
او خارجه، والمسنون هو الثانى، ففى سنن ابى داؤد بسنده
عن السائب بن يزيد: ان الاذان كان اوله حين يجلس الامام
على المنبر يوم الجمعة فى عهد النبى وابى بكر وعمر فلما كان

خلافة عثمان وكثر الناس امر بالاذان الثالث واذن به على الـزوراء فثبـت الامـر على ذالـك۔ [ج ۱ ص ۲۴۷، مجلس برکات، مبارک پور] ترجمہ: "بین یدیه" کے معنی ہیں امام کے سامنے، چاہے مسجد میں ہو۔ یا۔ مسجد سے باہر، مگر سنت باہر ہی ہے۔ سنن ابی داؤد میں سائب بن یزید سے مروی ہے کہ: عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور دور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں جمعہ کے دن اس وقت اذان ہوتی جب امام منبر پر بیٹھ جاتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تو آپ نے مقام زورا میں ایک اور اذان دلوائی۔ اس کے بعد اسی پر عمل قائم رہا۔

اسی لیے ہدایہ کے شارح علامہ بدرالدین عینی نے (ت ۸۵۵) اپنی شرح البنایہ میں فرمایا ہے:

(بين يدى المنبر) هذا هو الاذان الاصلي الذى كان فى زمان النبى صلى الله عليه وسلم وابى بكر وعمر رضى الله عنهما من بعده، ثم حدث الاذان الآخر وهو الاذان الاول فى عهد عثمان كما ذكرنا (بـذالك) اى الاذان بيـن يـدى المنبر بعد الاذان الاول على المنـارة (جرى التـوارث) من زمن عثمان بن عفان الى يومنا هذا۔ ترجمہ: (ممبر کے سامنے) یہی اصلی اذان ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں تھی۔ اس کے بعد دوسری اذان جو آج پہلی کہی جاتی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حادث ہوئی جیسا کہ ہم بیان کر آئے (اسی پر) یعنی منارہ پر پہلی اذان ہونے کے بعد منبر کے سامنے اذان ہونے پر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے

ہمارے زمانہ تک (توارث جاری ہو گیا) [البنایۃ، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبوعہ، بیروت ج ۳ ص ۹۰]

یعنی بذالک (اسی سے) سے مراد ہے "منبر کے سامنے والی اذان سے پہلے ایک اور اذان کا دیا جانا" ــــ تو صاحب "ہدایہ" **بذالک جری التوارث** کہہ کر یہ فرمارہے ہیں کہ 'منبر کے سامنے والی اذان سے پہلے ایک اور اذان دیئے جانے' پر توارث ہو گیا ہے۔

پھر اگر اصرار ہو کہ صاحب ہدایہ کی مراد لفظ "**بذالک**" سے "**بین یدیه**" یعنی "امام کے سامنے" ہی ہے۔

تو عرض ہے کہ "**بین یدیه**" یعنی "امام کے سامنے" ہونے کے لیے ضروری نہیں کہ 'اندر' ہی ہو۔ ابھی ابھی گذشتہ پیرا میں **عمدۃ الرعایه** کی یہ عبارت گذر چکی کہ: 'اندر' ہو تو بھی "سامنے" ہوگا اور 'باہر' ہو تو بھی "سامنے" ہی ہوگا۔

صحابیِ رسول حضرت سائب بن یزید جن کی مادری زبان عربی ہی تھی، ان سے زیادہ عربی زبان کا جانکار کون ہوگا؟ خود وہ حدیث میں فرماتے ہیں کہ یہ اذان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی۔

پھر اگر کہیے کہ ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے تو مسجد کے دروازہ پر ہی ہوتی تھی۔ مگر جب سے ہشام بن عبد الملک نے اسے مسجد کے اندر کر دیا، اس وقت سے توارث ہو گیا کہ یہ اذان مسجد کے اندر ہی ہو۔ اور توارث مکروہ نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

لان المتوارث لا یکون مکروھا وکذالک نقول فی الاذان بین یدی الخطیب فیکون بدعۃ حسنۃ اذ ما راٰہ المؤمنون حسنا فھو حسن۔ ترجمہ: توارث مکروہ نہیں ہوتا جیسے اذان خطبہ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے دینا بدعت حسنہ ہے کیوں کہ جسے مؤمنین اچھا جانیں وہ اچھا ہے۔

توعرض ہے کہ توارث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) توارث قدیم: یعنی معلوم ہے کہ اس کی ابتدا عہد رسالت سے ہے۔ یا۔ معلوم تو نہیں، مگر ہمیشہ سے عامۃ المسلمین میں عام طور پر معمول بہ ہے۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۳۳۳ کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فصل فی القرأۃ، میں فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت جہری اور آخری رکعتوں میں سری کے تعلق سے فرماتے ہیں:

قوله: (هذا هو المتوارث) يعني انا اخذنا عمن يلينا الصلاة هكذا فعلاً، وهم عمن يليهم كذالك، وهكذا الى الصحابة رضى الله تعالى عنهم، وهم بالضرورة اخذوه عن صاحب الوحى صلى الله عليه وسلم، فلا يحتاج الى ان ينقل فيه نص معين ۔ ترجمہ: یعنی ہم نے اسے اپنے سے پہلے کے بزرگوں سے لیا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے بزرگوں سے لیا۔ ایسے ہی سلسلہ بسلسلہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم تک۔ اور انہوں نے اس کو صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کیا۔ تو اس کے لیے کسی معین نص کی ضرورت نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی ہی ردالمحتار ج ۳ ص ۴۳ مطبوعہ اشرفیہ، دیوبند میں فرماتے ہیں:

لان التعارف انما يصلح دليلا على الحل اذا كان عاما من عهد الصحابة والمجتهدون كما صرحوا به ۔ ترجمہ: وہی تعارف عام جائز ہونے کی دلیل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جو صحابہ ومجتہدین کے زمانہ سے ہو جیسا کہ فقہا نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

(۲) توارث حادث: یعنی جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کی ابتدا دور صحابہ ومجتہدین کے بعد ہوا۔

توارث قدیم حدیث وسنت کا معارض ہو ہی نہیں سکتا۔ اور معارض ہو تو مانا جائے

گا کہ حدیث کا وہ حکم منسوخ ہے ۔ ہاں! توارث حادث، حدیث وسنت کا معارض ہوسکتا ہے ـــــ پس توارث حادث اگر:

(الف) بالاتفاق حدیث وسنت کا معارض ہو تو اس کے مطابق عمل کرنا بالاتفاق مکروہ سے لے کر حرام تک ہوگا۔ جیسے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اجتناب پر توارث ہے۔ علامہ شامی نے رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت میں نقل فرمایا ہے:

قد تعطل ذلک منذ ازمنة۔ ترجمہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر زمانوں سے معطل ہے۔

فتاوی غیاثیہ، کتاب الاجارات، ص ۱۶۰ میں ہے:

لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا لا یفتی بالحل۔ ترجمہ: شراب بیچنے ۔یا۔ سود لینے پر لوگوں کا تعامل ہو جائے، تو حلال ہونے کا فتوی نہیں دیا جائے گا۔

(ب) اور توارث حادث کے حدیث وسنت کا معارض ہونے میں اختلاف ہو، تو جس کے نزدیک اس کا حدیث وسنت کے معارض ہونا ثابت ہو، ان کے لیے اس کے مطابق عمل کرنا مکروہ ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامی ہی رد المحتار ج ۳ ص ۴۴۳ مطبوعہ، اشرفیہ، دیوبند میں فرماتے ہیں:

ولا عبرة بالعرف الحادث اذا خالف النص۔ عرف حادث نص کا معارض ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔

ہدایہ ج ا ص ۴۷ کتاب الصلاۃ باب الاذان میں ہے:

(لا یؤذن لصلاۃ قبل دخول وقتها ویعاد فی الوقت) لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجهیل (وقال ابو یوسف) وهو قول الشافعی رحمه الله (یجوز للفجر فی النصف الاخیر من

اللیل)لتوارث اھل الحرمین۔ والحجۃ علی الکل قولہ علیہ الصلوۃ والسلام لبلال رضی اللہ عنہ: لاتوذن حتی یستبین لک الفجر۔ ترجمہ: (امام اعظم کے نزدیک) نماز کے لیے وقت سے پہلے اذان نہیں دی جائے گی۔ اگر کسی نے دے دی، تو اعادہ کیا جائے گا؛ کیوں کہ اذان تو نماز کی اطلاع دینے کے لیے ہے اور وقت سے پہلے دینے میں تجہیل ہے۔ امام ابو یوسف اور امام شافعی نے آدھی رات کے بعد فجر کی اذان دینا جائز قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ اس پر حرمین طیبین کا توارث ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت بلال سے فرمانا کہ: ''جب تک صبح صادق نہ ہوجائے، اذان مت دو'' سب کے خلاف حجت ہے۔

شارح ہدایہ علامہ اکمل الدین بابرتی نے عنایہ ج۱ص ۲۵۳ میں فرمایا ہے:

قولہ (والحجۃ علی الکل) ای علی ابی یوسف والشافعی واھل الحرمین: یعنی ان الحدیث حجۃ علی الآخذ والماخوذ منہ۔ ترجمہ: امام ابو یوسف، امام شافعی اور اہل حرمین سب کے خلاف حجت ہے۔ یعنی جنہوں نے اس توارث کی ایجاد کی اور جو اس پر عمل پیرا ہیں، حدیث سب کے خلاف حجت ہے۔

(ج) اور جن کے نزدیک اس کا حدیث وسنت کے معارض ہونا ثابت نہ ہو، وہ اس کے مطابق عمل کریں تو معذور ہیں اور بسا اوقات ماجور بھی۔ جیسے امام ابو یوسف اور امام شافعی نے فجر کی نماز کے لیے اہل حرمین کے توارث پر عمل کرتے ہوئے وقت سے پہلے اذان دینے کو جائز قرار دیا ہے۔

وقال ابو یوسف وھو قول الشافعی رحمہ اللہ: یجوز للفجر فی النصف الآخر من اللیل؛ لتوارث اھل

الحرمین۔ ترجمہ: امام ابو یوسف اور امام شافعی نے آدھی رات کے بعد فجر کی اذان دینا جائز قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ اس پر حرمین طیبین کا توارث ہے۔

(د) اور اگر بالاتفاق معارض نہ ہو، تو اس کے مطابق عمل کرنا بالاتفاق مباح سے لے کر واجب تک ہوگا۔ جیسے میلاد شریف کے انعقاد پر صدیوں سے توارث ہے جو حدیث وسنت کے معارض نہیں، تو میلاد شریف کا انعقاد مستحسن ہے۔

سیرت حلبیہ ج ا ص ۱۲۲ میں ہے:

لازال اهل الاسلام فی سائر الاقطار والمدن العظام یحتفلون فی شهر مولده صلی الله علیه وسلم ----- ----- ومن تعظیم مشائخهم وعلمائهم هذا المولد المعظم والمجلس المکرم انه لایأبه احد فی حضوره ورجاء ادراک نوره وسروره۔ ترجمہ: تمام اطراف اور بڑے بڑے شہروں میں اہل اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے مہینہ میں مجلس منعقد کرتے ہیں ------------ اور ان اطراف وامصار کے علما ومشائخ اس مولد ومجلس کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اس کے نور وسرور کے حصول کی امید پر کوئی بھی حاضر ہونے سے انکار نہیں رکھتا ہے۔

اذان ثانی کا اندرون مسجد ہونا اگر عہد ہشام سے حادث ہوکر متوارث ہونا ثابت ہو،(۱) تو چوں کہ یہ حدیث حسن وصحیح سے ثابت شدہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنھم کے خلاف ہے، اس لیے اس پر عمل کرنا درست نہ ہوگا۔ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں مذکورہ عبارت:

---

(۱) صحیح یہ ہے کہ ہشام سے مسجد کے اندر اذان دلوانا ثابت نہیں۔ ہاں! بعض حضرات نے یہ ضرور لکھا ہے کہ وہ پہلی اذان کو منتقل کرکے مسجد کی طرف لے آیا، کما سیجی۔ منہ غفرلہ

لان المتوارث لا یکون مکروھا وکذالک نقول فی الاذان بین یدی الخطیب فیکون بدعۃ حسنۃ اذمار اٰہ المؤمنون حسنا فھو حسن۔

میں اذان ثانی کا امام کے سامنے ہونے کو بدعت حسنہ اور متوارث نہیں بتایا ہے۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ خطیب کے سامنے والی اذان جسے اذان ثانی کہتے ہیں، اس میں اذان جوق یعنی ایک ساتھ کئی موذنوں کا اذان دینا، بدعت حسنہ اور متوارث ہے، اس لیے مکروہ نہیں۔

جس کا پس منظر یہ ہے کہ اموی دور سے پہلے خطبہ کے وقت ایک ہی موذن امام کے سامنے اذان کہتا تھا۔ اموی دور میں مسجد کے مختلف زاویے میں مختلف موذنوں سے اذان دلانا شروع کیا گیا۔ اور اسی پر توارث ہو گیا جسے اذان جوق کہنے لگے۔ اسی کے تعلق سے علامہ ابن عابدین شامی نے رد المحتار ج ۲ ص ۵۲، ۵۳ میں: "مطلب فی اذان الجوق" کے عنوان سے لکھا ہے:

ذکر السیوطی: ان اول من احدث اذانَ اِثنین معا بنوامیۃ اھ قال الرملی فی حاشیۃ البحر: ولم أر نصاصریحا فی جماعۃ الاذان المسمی فی دیارنا باذان الجوق ھل ھو بدعۃ حسنۃ او سیئۃ؟ وذکرہ الشافعیۃ بین یدی الخطیب۔ واختلفوا فی استحبابہ وکراھتہ۔ واما الاذان الاول فقد صرح فی "النھایۃ" بانہ المتوارث حیث قال فی شرح قولہ: واذااذن المؤذنون الاذان الاول ترک الناس البیع، ذکر الموذنین بلفظ الجمع اخراجاللکلام مخرج العادۃ، فان المتوارث فیہ اجتماعھم لتبلغ اصواتھم الی اطراف المصر الجامع اھ۔ ففیہ دلیل علی انہ غیر مکروہ لان المتوارث لا یکون مکروھا، وکذالک نقول فی الاذان بین

يدي الخطيب فيكون بدعة حسنة اذ مارأه المؤمنون حسنا فهو حسن۔

ترجمہ: علامہ سیوطی نے بیان کیا ہے: سب سے پہلے بنوامیہ نے ایک ساتھ دواذانیں دلوانی شروع کی، انتہی۔ علامہ رملی نے بحر کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے: میں نے جماعت کی اذان جسے ہمارے دیار میں جوق کہتے ہیں، اس کے تعلق سے کہیں صراحت نہیں دیکھی کہ وہ بدعت حسنہ ہے ۔یا۔ بدعت سیئہ؟ اسے شافعی حضرات نے امام کے سامنے والی اذان (یعنی اذان خطبہ) کے تعلق سے بیان کیا ہے اور اس کے مستحب ۔یا۔ مکروہ ہونے کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ رہی پہلی اذان! تو ''نہایہ'' کے اندر اس میں اس کے متوارث ہونے کی صراحت کی ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ کے ارشاد: ''جب موذن حضرات پہلی اذان دیں تو لوگ خرید وفروخت چھوڑ دیں'' کی شرح کرتے ہوئے کہا ہے: صاحب ہدایہ نے صیغۂ جمع سے ''موذن حضرات'' عادت کے موافق فرمایا ہے؛ کیوں کہ پہلی اذان میں توارث یہ ہے کہ کئی موذن اذان کہتے تھے؛ تاکہ ان کی آوازیں بڑے شہر میں ہر طرف پہنچیں، اھ۔ تو اس میں دلیل ہے کہ کئی موذنوں کا اذان کہنا مکروہ نہیں ہے؛ کیوں کہ جو چیز متوارث ہو، وہ مکروہ نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح امام کے سامنے والی اذان (یعنی اذان خطبہ) کے بارے میں ہم کہیں گے کہ اس میں ایک ساتھ کئی موذنوں کا اذان دینا بدعت حسنہ ہے؛ اس لیے کہ جس بات کو عام مسلمان اچھا سمجھیں، وہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ (ج ۲ ص ۵۲، ۵۳)

تو ثابت ہوا کہ علامہ ابن عابدین شامی کی مذکورہ بالا عبارت میں جس توارث کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ وہ مکروہ نہیں، بدعت حسنہ ہے، وہ، امام کے سامنے والی: یعنی خطبہ

کی اذان میں ایک ساتھ دو موذنوں کا اذان کہنا ہے۔ یہ نہیں کہ خطبہ کی اذان امام کے سامنے بدعت حسنہ ہے۔ بھلا کوئی حنفی بقید ہوش وحواس ایسا کیسے کہہ سکتا ہے؟ جب کہ احناف کے ہاں متفقہ طور پر ابوداؤد کی حدیث کے مطابق یہ سنت رسول بھی ہے اور سنت خلفاے راشدین بھی۔ حتیٰ کہ خود علامہ شامی نے اسی ردالمحتار ج ۳ ص ۳۶ میں فرمایا ہے:

قوله: (ويوذن ثانيا بين يديه) اى على سبيل السنية۔

ترجمہ: دوسری اذان امام کے سامنے دے یعنی بطور سنت۔

مگر واضح ہو کہ یہ اختلاف صرف **بين يديه**: یعنی امام کے سامنے اذان دیے جانے پر ہے، مسجد کے اندر دیے جانے پر نہیں؛ کیوں کہ مسجد کے اندر اذان دینے پر امام مالک اور ان کے مقلدین کے نزدیک بھی توارث حادث ہے، جو حدیث وسنت کا معارض ہے۔ جیسا کہ مالکی فقہا کے حوالوں سے ہم لکھ آئے۔ **هكذا ينبغي التحقيق والله ولى التوفيق۔**

اگر کہا جائے کہ جس طرح علت یا مقاصد شرع کے پیش نظر صحابہ کرام نے مؤلفۃ القلوب کو مستحقین زکوٰۃ کی فہرست سے خارج کر دیا۔ یا جیسے عہد رسالت اور خلیفہ اول کے زمانے میں عورتوں کو مساجد میں آنے اور جماعت میں شریک ہونے کی اجازت تھی، لیکن سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فساد زمانہ کی بنیاد پر ان کو مسجد میں آنے سے روک دیا۔ یا امام کی اقتدا میں تراویح کی نماز جو بدعت تھی، اسے سنت تسلیم کیا گیا۔ یا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ میں ایک اذان کا اضافہ کر دیا۔ اسی طرح یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ اذان جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور دورِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں مسجد کے باہر ہوتی تھی، مسجد کے اندر کر دی جائے؟

تو عرض ہے کہ:

(۱) پہلے اعزازِ اسلام کی خاطر مستحقین زکوٰۃ میں مؤلفۃ القلوب کا حصہ رکھنے کی ضرورت تھی، تو ان کا حصہ رکھا گیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اب

اس کی ضرورت نہیں رہی تو قرآنی ارشاد:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ (کہف ۲۹) ترجمہ: ''اور فرمادو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے''

اور ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

ان اللہ افترض علیھم صدقۃ تؤخذ من اغنیائھم فترد فی فقرائھم۔ ترجمہ: ''اللہ نے مسلمانوں پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر انہی کے محتاجوں کو دی جائے گی'' (مسلم ج ۱ ص ۳۶)

کے پیش نظر قول اصح کے مطابق صحابہ کرام نے مولفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہونے پر اجماع کرلیا۔ دوسرے لفظوں میں علت کے انتفا سے حکم منتفی ہوگیا۔ یا۔ خود قرآن وحدیث نے اس حکم کو منسوخ کردیا۔ جیسا کہ فقہائے کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اذان، جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاعمر پاک مسجد سے باہر دلوایا۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین زندگی بھر مسجد سے باہر دلواتے رہے۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ سے اموی حکومت کا دور شروع ہو کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عہد تک فتوحات در فتوحات کے نتیجے میں اسلامی سلطنت کا دائرہ وسعت پذیر ہوتا گیا اور سیکڑوں مسجدیں بنیں۔ لیکن کبھی کسی کو خیال نہیں گزرا کہ اب مسجد سے باہر کی بجائے مسجد کے اندر اذان دلوائی جائے۔ قائل کے بقول پہلی بار اس جابر و ظالم بادشاہ ہشام بن عبدالملک کی سمجھ میں آیا کہ اس سنت مستمرہ کا حکم منسوخ ہوگیا ہے۔ یا۔ اس کے باہر ہونے کی علت منتفی ہوگئی ہے۔ اس لیے اب مسجد سے باہر ہونے کی بجائے اسے مسجد کے اندر ہونی چاہیے۔

میں اسے قائل کے بقول اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مسجد کے اندر اذان دلوانا ہشام سے

بھی ثابت نہیں۔ہاں! بعض حضرات نے یہ ضرور لکھا ہے کہ وہ پہلی اذان کو منتقل کر کے مسجد کی طرف لے آیا۔جس کے یہ معنی متعین نہیں کہ مسجد کے اندر دلوائی۔ہوسکتا ہے کہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ تو اپنی اضافہ کردہ اذان کو بازار میں دلواتے تھے، اس نے منارہ پر دلوائی ہو۔خطبہ کے وقت کی اذان جو امام کے سامنے ہوتی تھی اس کے تعلق سے ہے کہ وہ جس طرح زمانہ رسالت اور دور خلافت میں ہوتی تھی ہشام نے اسی طرح باقی رہنے دیا، کوئی تبدیلی نہیں کی۔

علامہ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج ۱۰ ص ۴۹۰ میں فرماتے ہیں:

(لماكان عثمان) خليفة (وكثروا) الناس الذين يحضرون الجمعة بالمدينة (امر بالاذان قبله) اى قبل الاذان الذى بين يدى الخطيب (على الزورا، ثم نقله هشام) بن عبد الملك وكان بعد عثمان بثمانين سنة (الى المسجد) اى: امر بفعله فيه (۱) (وجعل الا خر) الذى يفعل بعد جلوس الخطيب على المنبر (بين يديه) مرة واحدة بمعنى انه ابقاه بالمكان الذى يفعل فيه فلم يغيره بخلاف ماكان بالزوراء، فحوله الى المسجد على المنار، (انتهى) كلام ابن احاجب (ونحوه قال: عبد الحق فى) كتاب (تهذيب

(۲) یہاں لفظ فیہ سے دھوکا نہ ہو کیوں کہ چند سطر بعد خود علامہ زرقانی ہی نے اس کی مراد یہ کہہ کر بیان فرمادی ہے کہ: مطلب یہ کہ جہاں ہوتی تھی اسی جگہ باقی رکھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی“۔منہ غفرلہ

الطالب) ترجمہ: جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے اور مدینہ میں جمعہ پڑھنے والے بڑھ گئے تو آپ نے خطیب کے سامنے والی اذان سے پہلے زوراء پر ایک اذان دلوائی۔ پھر حضرت عثمان کی شہادت کے اَسّی سال بعد ہشام بن عبد الملک حکمراں ہوا تو وہ حضرت عثمان کی اضافہ کردہ اذان کو منتقل کر کے مسجد کی طرف لایا یعنی اس میں دینے کا حکم دیا۔ اور خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد جو دوسری اذان ہوتی تھی اسے سامنے ہی کر دیا۔ مطلب یہ کہ جہاں ہوتی تھی اسی جگہ باقی رکھا، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اس کے برخلاف زوراوالی اذان کو مسجد کی طرف منارے پر منتقل کر دیا۔ ابن حاجب کا کلام پورا ہو گیا۔ ابن حاجب ہی کی طرح عبد الحق نے بھی ''تہذیب الطالب'' نامی کتاب میں یہی لکھا ہے۔

(۲) حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق کے زمانے میں اگرچہ عورتوں کو زیب وزینت سے عاری، خوشبو لگائے بغیر، سادہ انداز میں مسجد میں آکر جماعت میں شریک ہونے کی اجازت تھی مگر ضروری نہیں تھا۔ ان کے لیے بہتر یہی تھا کہ وہ گھر ہی میں نماز پڑھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

صلاۃ المرأۃ فی بیتها افضل من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی مخدعها افضل من صلاتها فی بیتها

ترجمہ: ''عورت کا دالان میں نماز پڑھنا، صحن میں پڑھنے سے بہتر ہے اور کوٹھری میں دالان سے بھی بہتر ہے''۔ (مختصر سنن ابی داؤد للمنذری ج۱ص ۱۷۵ حدیث ۵۶۹)

مگر حضرت عمر کے زمانہ میں عورتوں میں وہ سادگی رہی، نہ عام لوگوں کے اندر وہ پاک بازی، جو زمانۂ رسالت اور عہد ابو بکر میں تھی۔ جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو گیا۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی ما احدث النساء لمنعھن المسجد۔ ترجمہ: ''اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی یہ حالت دیکھ لیتے تو آپ ان کو مسجد میں آنے سے ضرور روک دیتے۔'' (مسلم ج ۱ ص ۱۸۳ باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ) تو حضرت عمر نے عورتوں کے مسجد میں آنے پر پابندی لگادی۔

کیا اذان ثانی بھی اندر ہونا ہی بہتر تھی، باہر دلانا صرف جائز تھا۔ اور ہشام کے زمانہ سے باہر دلانے میں کسی فتنہ کا اندیشہ ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے اندر دلانا ضروری ہوا؟

(۳) اور جماعت کے ساتھ تراویح کا معاملہ تو یہ ہے کہ خود نبیؐ رؤف ورحیم نے کئی راتیں امامت فرمائی پھر آپ کو اندیشہ ہوا کہ میرے اس طرح پڑھنے سے کہیں میری امت پر فرض نہ ہو جائے، تو آپ نے پڑھانا چھوڑ دیا، اور لوگ حضرت عمر کے ابتدائی دور خلافت تک ایسے ہی پڑھتے رہے۔

حضرت عمر اپنے دور خلافت میں ایک رات مسجد گئے تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروپ میں بٹے ہوئے ہیں۔ کوئی تنہا ہی تراویح پڑھ رہا ہے۔ چند لوگ ایک شخص کی اقتدا میں پڑھ رہے ہیں۔ تو آپ نے سب کو جمع کر کے حضرت ابی بن کعب کو ان کا امام بنادیا۔ دوسری رات سب کو ایک ہی امام کی اقتدا میں تراویح پڑھتے دیکھ کر فرمایا: یہ نیا کام (۳) کتنا اچھا ہے کہ سب لوگ ایک ہی امام کی اقتدا میں پڑھ رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر صحابہ سے فرمایا تھا: تم لوگ میرے بعد بہت سے نئے کام کرو گے۔ ان سب میں مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ تم لوگ عمر کا کیا ہوا نیا کام لازمی طور پر کرو۔ (۴)

---

(۳) یعنی کچھ حضرات جو تنہا تنہا چند یا مختصر مختصر جماعت کر رہے تھے، اس کے اعتبار سے نیا کام۔ ورنہ گذر چکا ہے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ نے کئی راتیں جماعت فرمائی۔ منہ غفرلہ

(۴) طحاوی علی المراقی ص ۲۱۴ میں ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ستحدث بعدی اشیاء فاحبھا الی ان تلزموا ما احدث عمر۔ منہ غفرلہ

اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی سامعہ نواز تھا
"تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اس
پر مضبوطی سے گامزن رہنا" تو حضرت عمر کے دور خلافت میں مواظبت ہوگئی اور عام صحابہ
نے اس سے اتفاق کرلیا، اور اس وقت سے آج تک مسلمان کسی نکیر کے بغیر برابر ایسا ہی
کرتے آرہے ہیں۔

بحر الرائق ج ۲ ص ۱۱۷ میں ہے:

وقد سنها رسول الله صلى الله عليه وسلم وندبنا اليها واقامها فى بعض الليالى ثم تركها خشية ان تكتب على امته كما ثبت ذالك فى الصحيحين وغيرهما۔ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی ابتدا کی اور ہمیں اس کے لیے آمادہ فرمایا۔ چند راتیں پڑھائیں اور اس اندیشہ سے پڑھانا چھوڑ دیا کہ کہیں میری امت پر فرض نہ کردی جائے جیسا کہ بخاری، مسلم وغیرہ میں ہے۔

بدائع الصنائع ج ۱ ص ۶۴۵ میں ہے:

:ان النبى صلى الله عليه وسلم۔۔۔۔صلى بجماعة فى المسجد۔ ترجمہ: نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔۔۔۔۔۔۔تراویح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی۔

طحطاوی علی المراقی مکتبہ اشرفیہ ص ۴۱۱، اور غنیۃ المستملی ص ۴۰۱ میں ہے:

فى الصحيحين عن عائشة رضى الله عنها: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى ذات ليلة فى المسجد فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة، والرابعة فلم يخرج اليهم رسول الله صلى الله

علیہ وسلم، فلما اصبح قال: قد رأیت الذی صنعتم، فلم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان تفرض علیکم۔ ترجمہ: بخاری ومسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لے گئے اور کچھ لوگوں کو تراویح کی نماز پڑھائی۔ پھر اگلی رات بھی پڑھائی تو لوگ بہت زیادہ ہو گئے۔ پھر تیسری چوتھی رات سارے لوگ جمع ہو گئے مگر سرکار تشریف نہیں لے گئے۔ جب صبح ہوئی تو ارشاد فرمایا: تم لوگوں نے جو کیا میں نے دیکھا۔ مگر میں اس اندیشہ سے نہیں آیا کہ کہیں یہ تم پر فرض نہ کر دی جائے۔

غنیتہ شرح منیہ ص ۴۰۰ و ۴۰۱ میں ہے:

روی عن عبد الرحمٰن بن عبد القادر قال: خرجت مع عمر بن الخطاب لیلۃ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسہ و یصلی الرجل فیصلی بصلاتہ الرھط، فقال عمر انی اریٰ لو جمعت ھٰؤلاء علی قاریٔ واحد لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابی بن کعب، ثم خرجت معہ لیلۃ اخری و الناس یصلون بصلاۃ قارئیھم فقال عمر نعمت البدعۃ ھٰذہ۔ ترجمہ: عبد الرحمٰن بن عبد القادر نے کہا کہ: میں رمضان میں ایک رات حضرت عمر بن الخطاب کے ساتھ مسجد گیا تو دیکھا کہ لوگ الگ الگ جماعتوں میں ہیں کوئی اپنی نماز آپ پڑھ رہا ہے۔ کوئی کسی مختصر سی جماعت کو پڑھا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ ان سب کو ایک امام کے ساتھ کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ پھر سب کو ایک جماعت کر کے ابی بن کعب کو ان کا امام

مقرر فرمادیا۔ پھر میں دوسری رات آپ کے ساتھ مسجد گیا تو دیکھا کہ سب لوگ ابی بن کعب کی اقتدا میں تراویح پڑھ رہے ہیں۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا: یہ نیا کام کتنا اچھا ہوا۔

بحر الرائق ج ۲ ص ۱۱۷ میں ہے:

ثم وقعت المواظبة عليها فی اثناء خلافة عمر رضی الله عنه ووافقه علی ذالک عامة الصحابة رضی الله عنهم کما ورد ذالک فی السنن، ثم مازال الناس من ذالک الصدر الی یومناهٰذا علی اقامتها من غیر نکیر۔ وکیف لا وقد ثبت عنه صلی الله علیه وسلم: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ کما رواه ابوداؤد۔ ترجمہ: پھر حضرت عمر کی خلافت کے دوران اس پر مواظبت ہوگئی اور عام صحابہ نے اتفاق کرلیا جیسا کہ اس تعلق سے سنن میں حدیثیں موجود ہیں پھر اس وقت سے آج تک مسلمان کسی نکیر کے بغیر برابر ایسا ہی کرتے آرہے ہیں۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرنا لازمی ہے۔ اس پر مضبوطی سے گامزن رہنا'' جیسا کہ ابوداؤد نے روایت کی ہے۔

اس موقع پر ارشادِ فاروقی: نعمت البدعة هٰذه کے لفظ ''بدعت'' کے اردو ترجمہ میں'' بدعت'' ہی رکھ دینے پر بھی ایہام ہوگا کہ حضرت فاروق اعظم نے باجماعت تراویح، جس کے ''بدعت'' ہونے کا اعتراف خود اپنی زبان سے کیا، اسی کو رواج دیا اور مسلمان آج اسی کو سنت موکدہ سمجھ رہے ہیں۔

آج کے غیر مسلم اور کچھ ماڈرن قسم کے مسلمان، قرآن وحدیث کے ایسے ہی ترجموں

اور تشریحوں کو بنیاد بنا کر اسلام اور شریعت پر اعتراضات کرنے لگے ہیں۔

الغرض زکوٰۃ سے مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہونے۔ عورتوں کے سادگی کو چھوڑ دینے اور عام لوگوں میں وہ پاکیزگی، جو عہد رسالت اور دور صدیقی میں تھی، باقی نہ رہنے کی وجہ سے فساد کا اندیشہ ہو جانے پر ان کو مردوں کے ساتھ مسجد میں آکر نماز پڑھنے سے روک دینے۔ اور تراویح کی نماز جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جماعت سے پڑھا کر اس کے مسنون ہونے کو ثابت فرمایا اور صرف فرض ہو جانے کے اندیشہ سے ترک کیا، اسے امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دوبارہ جاری فرمایا کہ اب فرض ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا، جس پر صحابہ نے اتفاق کیا اور امت مسلمہ کا توارث ہو گیا۔

تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اذان جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہشام بن عبدالملک سے پہلے تک خارج مسجد سنت سمجھ کر خارج مسجد ہی دی جاتی رہی، ہشام بن عبدالملک کے خلافِ سنت مسجد کے اندر دلا دینے اور اس پر توارث حادث ہو جانے سے مسجد کے اندر دینا سنت ہو جائے۔

کسی حکم کے منسوخ ہو جانے۔ یا۔ حکم کی علت کے ارتفاع سے حکم کے مرتفع ہو جانے کو حکم میں تبدیلی سے تعبیر کرنا قائل کی خاص اپنی اصطلاح ہو، تو کوئی بات نہیں کہ: **لامشاحة فی الاصطلاح**۔ مگر عام آدمی کو اس سے کنفیوزن ہو جائے گا کہ قرآن وحدیث کا حکم بھی بدلا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ ملازمت سے رٹائرڈ ہونے پر تنخواہ نہ ملنے کو کوئی بھی حکم میں تبدیلی نہیں کہتا ہے۔ فساد کے موقع پر کرفیوں لگنے سے کوئی اسے تبدیلی سے تعبیر نہیں کرتا ہے۔ مہنگائی بڑھنے پر اضافۂ تنخواہ کو کوئی یہ نہیں سمجھتا ہے کہ حکم میں تبدیلی ہو گئی۔

سوالات وجوابات

سوال(۱): کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس برائی کی برائی ہونے پر اجماع ہو صرف وہی برائی منکر ہوتی ہے۔ اس لیے اجماعی مسئلہ ہی کے خلاف پر عمل پیرا لوگوں سے مواخذہ ہوسکتا ہے کیوں کہ: **لاینکر المختلف فیہ وانماینکر المجمع علیہ**۔ متفقہ قاعدہ ہے۔

جواب: مُنکَر کلی مشکک ہے جس کے مختلف درجات ہیں۔ اس متفقہ قاعدہ میں مختلف فیہ مسئلہ کے جس درجہ کا منکر ہونے کا انکار کیا گیا ہے، وہ منکر کا وہ درجہ ہے جس کے لیے حدیث میں ارشاد ہوا ہے:

من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ۔ ترجمہ: تم میں سے جو منکر (یعنی بری بات) دیکھے، اسے طاقت سے مٹائے۔

ورنہ کسی مسلمان کو ایک کوئنٹل لوہا۔ یا۔ چونا، دے کر دو کوئنٹل لینے کا سود اور حرام ہونا بھی تو مختلف فیہ ہے، اجماعی نہیں؛ کیوں کہ حنفیوں کے نزدیک تو یہ سود اور حرام ہے مگر شافعی حضرات اسے سود اور حرام نہیں مانتے ہیں:

فتح القدیر ج ۷ ص ۱۰ میں ہے:

الجص والحدید فانہ لایجوز عندنا۔۔۔۔ وعندہ یجوز۔ ترجمہ: چونا کو چونے کے عوض اور لوہا کو لوہے کے عوض فروخت کیا جائے تو ہمارے نزدیک کم وبیش ہونا جائز نہیں امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔

اسی طرح ایک کوئنٹل چاول دے کر دو کوئنٹل لینے کا سود اور حرام ہونا بھی مختلف فیہ ہے،

اجماعی نہیں؛ کیوں کہ حنفیوں اور شافعیوں کے نزدیک تو یہ سود اور حرام ہے۔ مگر حضرت قتادہ، طاؤس اور ابن عقیل حنبلی اسے سود اور حرام نہیں مانتے ہیں۔

اسی کے ص ۵ میں ہے:

من نقل عنه قصر حكم الربا على الستة ابن عقيل من الحنابلة، وهو ايضا ماثور عن قتادة وطاوس ۔ ترجمہ: ابن عقیل حنبلی چھ چیزوں میں ہی سود کے قائل ہیں اور یہی حضرت قتادہ اور حضرت طاؤس سے مروی ہے۔

تو کیا کسی حنفی ۔ شخص کو ایک کوئنٹل لوہا۔ یا۔ چونا دے کے دو کوئنٹل لیتے دیکھ کر حنفی عالم نکیر نہ کرے اور خاموش رہے کہ اس کی حرمت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، اجماعی نہیں۔ اسی طرح کسی حنفی شخص کو ایک کوئنٹل چاول دے کے دو کوئنٹل لیتے دیکھ کر حنفی وشافعی دونوں ہی عالم نکیر نہ کرے کہ اس کی حرمت کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے، اجماعی نہیں۔ عامی مسلمان کو مختلف فیہ مسائل میں مواخذہ سے چھوٹ دے دی جائے تو پھر تقلید کے کیا معنی ہوں گے؟ کہ تقلید تو انہیں مسائل میں ہوتی ہے جو مسائل اجماعی نہیں ہیں۔

سوال (۲): کیا غوث اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ جمعہ کی اذان مسجد کے اندر دیتے تھے جیسا کہ ان کی کتاب ''الغنیة'' سے سمجھ میں آتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

يجتنب البيع والشراء بعد الاذان عند المنبر لقوله تعالىٰ وهٰذا هو الاذان كان على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو واجب عندنا ولغير هٰذه الصلاة فرض كفاية وروى عنه سنة واما اذان المنارة امر به عثمان بن عفان رضى الله عنه فى زمانه لمصلحة عامة، وهى اعلام الغائبين عن الامصار والقرى فلا يبطل البيع والشراء۔ ترجمہ: خطیب

کے نزدیک دی جانے والی اذان کے وقت سے خرید وفروخت سے اجتناب کرے؛ کیوں کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کے لیے چل پڑو، خرید وفروخت چھوڑ دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہی اذان تھی۔ ہمارے نزدیک جمعہ کی یہ اذان واجب ہے اور دوسری نمازوں کے لیے فرض کفایہ ہے اور ان ہی سے مروی ہے کہ سنت ہے۔ اور منارہ کی اذان جو حضرت عثمان بن عفان نے منارہ پر اس عام مصلحت سے دلوائی تھی کہ شہر وآبادی سے دور کے لوگوں کو بھی آگاہی ہو جائے، اس وقت سے خرید وفروخت باطل نہیں ہوگی۔

جواب: ہرگز نہیں "**الغنیة**" تو کیا حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی کسی کتاب سے یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ آپ مسجد کے اندر اذان دیتے تھے۔ مذکورہ بالا عبارت میں لفظ "**عند**" ہے جو ظرف زمان ومکان اور "**بین یدی**" ہی کی طرح مبہم اور امر اضافی ہے:

شرح قطر الندی میں ہے:

اسم مکان مبہم وهو الجهات الست کالامام والفوق والیمین وعکسهن ونحوهن کعندا لخ۔ ترجمہ: جہات ستہ یعنی امام (سامنے) فوق (اوپر) یمین (دائیں) اور ان کے برعکس (پیچھے، نیچے، بائیں) اور عند اسم مکان مبہم ہے۔

اس لیے **بین یدیه** ہی کی طرح منبر سے ڈھائی ہاتھ کے فاصلہ پر صادق ہے تو دروازہ اور صحن وفنائے مسجد پر بھی صادق ہے۔

شرح جامی میں ہے:

یقال: المال عند زید فیما یحضر عنده وفیما فی خزائنه وان کان غائبا عنه۔ ترجمہ: کہا جاتا ہے: زید کے پاس مال ہے خواہ

اس کے بالکل پاس ہو۔ یا۔ اس سے غائب خزانے میں ہو۔
تو حضور غوث پاک کے ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ منبر کے سامنے والی اذان۔ یہ نہیں کہ منبر سے ڈھائی ہاتھ کا فاصلہ والی اذان۔

ہدایہ و کنز میں ہے:

و من سرق من المسجد متاعا و ربه عنده۔ ترجمہ: جو مسجد سے کسی کا مال چرالے اور مال والا مال کے پاس ہو، (تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا)۔

بحر الرائق مطبوعہ مکتبہ زکریا ج ۵ ص ۹۹ میں ہے:

اراد من كونه عنده بحيث يراه كما في المجتبى۔ ترجمہ: مال والے کا مال کے پاس ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ وہاں پر ہو جہاں مال اسے دکھائی دے سکے۔

تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مال مسجد میں رکھا ہو اور مال والا مسجد سے باہر مال کے سامنے ہی مثلاً دروازہ پر ہو، تو چوں کہ مال والا **عند المال** (مال کے پاس) نہیں ہوا، اس لیے چور کا ہاتھ کاٹا نہیں جائے گا؟

تو ثابت ہوا کہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اس عبارت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہے کہ آپ مسجد کے اندر اذان کے قائل تھے۔

سوال (۳): بعض کتابوں میں اس اذان کو قریب منبر لکھا ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر ہونی چاہئے کیوں کہ باہر قریب نہیں بعید ہے۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ یہاں قریبِ منبر کہہ کر قریبِ امام مراد ہے۔ یعنی محل کہہ کر حال مراد لیا گیا ہے۔

بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۴ میں ہے:

والضمير في قوله بين يديه عائد الى الخطيب الجالس

-وفی القدوری: بین یدی المنبر وھو مجاز اطلاقا لاسم المحل علی الحال کمافی السراج الوھاج، فاطلق اسم المنبر علی الخطیب۔ ترجمہ: ضمیر خطیب جو منبر پر بیٹھا ہے، اس کی طرف لوٹ رہی ہے، تو بطور مجاز محل کہہ کر حال یعنی منبر کہہ کر خطیب مرادلیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قریب وبعید امر اضافی ہے، جس کا تعین متعلقات سے ہوتا ہے۔ جو شخص آبادی سے باہر نماز پڑھ رہا ہے، وہ اذان دے کر نماز پڑھے یا اس کے حق میں آبادی کی اذان ہی کافی ہے؟ اس تعلق سے فتاوی عالمگیری ج ا ص ۱۱۱ میں ہے:

وان کان فی کرم او ضیعة ،یکتفی باذان القریة او البلدة ان کان قریبا، والافلا۔ وحد القریب: ان یبلغ الاذان الیہ منھا، کذافی مختار الفتاویٰ۔ ترجمہ: جو شخص آبادی سے قریب باغ یا کھیت میں ہو اس کے حق میں آبادی کی اذان ہی کافی ہے۔ قریب کی حد یہ ہے کہ وہاں تک آبادی کی اذان پہنچے۔

جو شخص آبادی سے باہر ہو اس کے حق میں جواز تیمم کے واسطے قول مفتی بہ کے مطابق ایک میل سے ذرا کم تک کی مسافت قریب مانی گئی ہے۔

بنایہ ج ا ص ۵۱۶ مطبوعہ بیروت میں ہے:

لیس لہ ان یتیمم اذاکان الماء قریباًمنہ۔ ترجمہ: پانی جس کے قریب ہو، اس کے لیے تیمم جائز نہیں۔

فتاوی عالم گیری ج ا ص ۸۰ میں ہے:

یجوز التیمم لمن کان بعیدا من الماء میلا، ھو المختار فی المقدار۔ ترجمہ: پانی جس سے ایک میل دور ہو اس کے لیے تیمم جائز ہے ۔ مسافت کے سلسلہ میں یہی قول مختار ہے۔

الغرض قریب کے لیے یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز ڈھائی ہاتھ کے فاصلہ پر ہو تو قریب

ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ پر ہو تو قریب نہیں ہے۔
کسی مسجد میں پانچ صفیں ہوں تو امام کے حق میں پہلی صف، دوسری صف کی بہ نسبت قریب ہے۔ دوسری صف، تیسری صف کی بہ نسبت قریب ہے۔ تیسری صف، چوتھی صف کی بہ نسبت قریب ہے۔ چوتھی صف، پانچویں صف کی بہ نسبت قریب ہے۔ پانچویں صف، دروازہ کی بہ نسبت قریب ہے۔ اور دروازہ، فنائے مسجد کے اس حصہ کی بہ نسبت قریب ہے جس حصہ میں وضوخانے وغیرہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح فنائے مسجد کا وہ حصہ جس میں وضوخانے وغیرہ ہوتے ہیں، محلہ وبازار کی بہ نسبت قریب ہے۔
غرض کہ امام سے ''قریب'' کا لفظ پہلی صف سے لے کر مسجد کا دروازہ اور فنائے مسجد کا آخری حصہ سب پر صادق ہے۔
ہم واضح کر چکے ہیں کہ مسجد کے اندر اذان دینا سنّت مستمرہ کے خلاف، بدعت سیئہ اور مکروہ ہے، اس لیے مسجد کا اندرونی حصہ اذان کا محل ہی نہیں ہے تو جو جگہ اذان کی محل ہے اور امام سے قریب ہے، ''قریب منبر'' سے وہی جگہ مراد ہے۔
سوال (۴): کیا یہ صحیح ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے اس اذان کو جب سے اندرون مسجد کیا تب سے پوری امت جن میں تمام ائمہ، فقہا، مشائخ اور علما شامل ہیں، سب کا عمل اسی پر ہوتا رہا؟
جواب: امام اعظم ابوحنیفہ جن کا مذہب ہے کہ: مسجد میں کوئی اذان نہ دی جائے ''جیسا کہ ہم فتاویٰ قاضی خاں بحرالرائق اور فتاوی عالمگیری کے حوالوں سے نقل کر آئے ہیں۔ اور خاص جمعہ کی اذان ثانی کے بارے میں بھی ہے کہ ''مسجد میں دینا مکروہ ہے'' جیسا کہ فتح القدیر اور غایۃ البیان میں ہے۔ اور امام مالک تو اسے امام کے سامنے ہی تسلیم نہیں کرتے اور مکروہ سمجھتے ہیں، جیسا کہ مالکی حضرات کی کتابوں سے ان کی عبارتیں نقل کی جا چکی ہیں۔ اور مغربی ممالک کے مسلمان تو آج تک مسجد کے باہر ہی دے رہے ہیں جیسا کہ حاشیہ سفطی کے حوالے سے مذکور ہو چکا ہے۔ اب اس صورت حال میں یہ

کہنا کہ ''ہشام بن عبدالملک نے اس اذان کو جب سے اندرون مسجد کیا تب سے پوری امت جن میں تمام ائمہ، فقہا، مشائخ اور علما شامل ہیں، سب کا عمل اسی پر ہوتا رہا'' صریح طور پر خلاف واقعہ ہے۔ یا نہیں؟ کیا یہ تمام حضرات جن کے حوالے ہم نقل کر چکے ہیں، اس قائل کے نزدیک امت سے خارج ہیں؟

سوال (۵): کیا صحیح ہے کہ اذان خطبہ مسجد سے باہر ہونے کے قائلین صرف کچھ علما رہے ہیں۔۔۔ جن میں پہلا نام ابن رشد قرطبی مالکی کا ہے۔۔۔ دوسرا نام علامہ ابن الحاج مالکی کا ہے۔۔۔ تیسرا نام علامہ شاطبی کا ہے۔۔۔ چوتھا نام علامہ عبدالحی فرنگی محلی کا ہے۔ جب کہ علامہ فرنگی محلی اذان ثانی کے صرف باہر مسنون ہونے کے قائل ہیں لیکن مسجد کے اندر ہونے کو بلا کراہت جائز سمجھتے ہیں۔ پانچواں نام اعلیٰ حضرت بریلوی کا ہے۔۔۔ چھٹا نام معاصر سلفی محقق ناصر الدین البانی کا ہے جو اہل ظواہر، سلفی جماعت کے سرخیل وناشر شمار کئے جاتے ہیں، سلف صالحین، مشائخ صوفیہ اور ائمہ احناف کے مسائل ورسومات کو بدعات قرار دینا اس جماعت کا وتیرہ ہے ان ہی مسائل میں سے اذان ثانی بھی ہے''

جواب: (الف) جی نہیں! حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی چاروں مذہب کی جمہور امت کا اتفاق ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی سمیت ہر نماز کی اذان کا مسجد سے باہر دینا سنت اور مسجد کے اندر دینا بدعت ومکروہ ہے جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں چاروں مذاہب کی کتابوں کے حوالوں سے لکھ آئے۔ جن میں سے صاحب فتح القدیر اور صاحب غایۃ البیان نے تو خاص باب الجمعہ میں لکھا ہے کہ مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ ہے۔ اور مالکی علما نے تو مسجد سے باہر اذان دینا سنت اور مسجد کے اندر دینا بدعت لکھ کر یہ حدیث نقل فرمادی ہے:

افضل الهدى هدى محمد، و شر الامور محدثاتها، و كل بدعة ضلالة۔ عمدہ ترین طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے۔ سب سے برا کام دین میں سنت کو بدل دینا ہے اور ہر بدعت (سنت کو بدل دینا) گمراہی ہے۔

(ب) ’’کچھ قائلین‘‘ کہہ کر چھ نام شمار کر دینا اگر عوام الناس کو یہ تاثر دینے کے لیے ہے کہ ان چھ حضرات کے علاوہ پوری دنیا کے علما وفقہا اس کے اندرون مسجد ہونے پر متفق ہیں۔ تو ہم عرض کر چکے کہ مالکی، شافعی، حنبلی اور حنفی چاروں مذہب کے فقہا نے اس مسئلہ کو بعد کے کسی فقیہ کی طرف منسوب کئے بغیر تحریر فرمایا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ یہ مسئلہ ان کے امام مذہب یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کا ہے۔

’’غنیہ ذوی الاحکام‘‘ کتاب الطہارۃ، نواقض الوضوج اص ۱۵ میں ہے:

صرح به قاضی خان من غیرا سناده لا حد فاقتضی کونه المذهب۔ قاضی خاں نے اس مسئلہ کی کسی (مثلاً ابو یوسف۔ یا۔ محمد) کی طرف اسناد کئے بغیر صراحت کی ہے جو اس بات کی مقتضی ہے کہ مذہب یہی ہو۔

(ج) پھر البانی اور اس کی جماعت کے تعارف سے اگر یہ تاثر قائم کرنے کی کوشش ہے کہ اس کے باہر ہونے کو سنت بتانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو مشائخ اور مقلدین بالخصوص احناف سے کد ہے ــــــ تو سوال ہوگا کہ جن علمائے مذہب اور فقہا نے اس کو مکروہ وبدعت کہا ہے، جیسا کہ ہم ان کے اقوال نقل کر آئے، ان علمائے مذہب کو آخر کن سے کد ہے؟۔ البانی جیسے غیر مقلد کی کوئی بات ہمارے ائمہ اور فقہا کے موافق ہو جائے ،تو کیا اسی بنیاد پر ہم اس کی مخالفت پر اتر آئیں گے؟ یہی حال رہا تو نہ جانے کتنے فرائض وواجبات تک سے ہمیں ہاتھ اٹھا لینے پڑیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ البانی، جس نے اس مسئلہ میں ہمارے فقہا وعلما کی موافقت کی ہے، اس نے اگر صوفیا کی مخالفت کی ہے، تو اس اذان کے اندر ہونے کا مدار جس ہشام کے نقل پر رکھا گیا ہے، کیا وہ ظالم وجابر نہیں تھا؟ جس نے رسول رحیم وکریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے، شہید گل گوں قبا، امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے، بیمار کربلا امام زین

العابدین کے صاحب زادے، باقر علم ہدی امام باقر کے بھائی، حضرت سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا۔ اس سے بھی اس کا سینہ ٹھنڈا نہیں ہوا، تو ظالم نے لاش کو نکلوا کر سولی پر چڑھایا، اور برسہا برس سولی ہی پر رہنے دیا۔ ان برسوں میں بدن مبارک کے کپڑے گل گئے، قریب تھا کہ بے ستری ہوتی تو غار ثور کی سنت تازہ ہوئی، اور اللہ عزوجل کے حکم سے مکڑی نے جسم مبارک پر ایسا جالا تان دیا کہ تہ بند جیسا ہو گیا ــــــ اس پر بھی اس سفّاک وظالم کی آنکھیں نہیں کھلیں ــــ پھر اس کے مرنے کے بعد اس کے جانشین: ولید بن یزید نے ستم یہ ڈھایا کہ لاش مبارک کو اتروا کر آگ لگا دی اور جلا کر خاکستر کر دیا (دیکھئے البدایہ والنہایہ، وغیرہ تواریخ وسیر کی کتابیں)

سوال (۶): کیا جمعہ کی اذان ثانی کا مقصود دور تک آواز پہونچانا کبھی نہیں رہا؟

جواب: جمعہ کی اذان ثانی کا مقصود دور تک آواز پہونچانا کبھی نہیں رہا ہوتا، تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے مسجد کے اندر نہیں، مسجد کے دروازہ پر دلوائے ہوتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی مسجد کے اندر نہیں مسجد کے دروازہ ہی پر دلوائے ہوتے؟ حضرت علی کے بعد حضرت امام حسن بھی مسجد کے اندر نہیں مسجد کے باہر ہی دلوائے ہوتے؟، پھر حضرت امیر معاویہ سے لے کر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہم تک بھی سبھی حضرات مسجد کے اندر نہیں، مسجد کے دروازہ پر دلوائے ہوتے؟ جیسا کہ آج جو لوگ مسجد کے اندر دلوانے کی بات کر رہے ہیں، وہ خود کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہشام بن عبد الملک نے اس اذان کو مسجد کے باہر دلوائی۔ اگر ان کی یہ بات سچ مانی جائے تو کیا یہ نہیں تسلیم کرنا ہوگا کہ کم از کم حضور صلی اللہ کے عہد مبارک سے لے کر حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ تک جمعہ کی اذان ثانی کا مقصود دور تک آواز پہونچانا رہا۔ یہ تو کھلی تضاد بیانی ہوگی۔ آدمی کو جوش تعصب وعناد میں آکر اپنا کہا آپ بھلا نہیں دینا چاہئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانے تک ہی نہیں اس کے بعد بھی اگر جمعہ کی اذان ثانی کا مقصود دور

تک آواز پہونچانا نہیں ہوتا تو فقہائے کرام اپنی کتابوں میں یہ نہیں لکھتے:

لان تکرارہ مشروع کما فی اذان الجمعۃ لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفید لاحتمال عدم سماع البعض۔ اذان میں تکرار جائز ہے جیسے جمعہ کی اذان؛ کیوں کہ وہ غیر موجود لوگوں تک آواز پہونچانے کے لیے ہے۔

پس اس کی تکرار میں فائدہ ہے؛ کیوں کہ ہوسکتا ہے کچھ لوگوں نے پہلی اذان نہ سُنی ہو (بحر مطبوعہ زکریا دیوبند ج ۱ ص ۴۵۸)

نیز

ان الاذان انما ھو نداء الی الصلاۃ و من ھو فی المسجد لامعنی لندائہ اذ ھو حاضر و من ھو خارج المسجد لا یسمع النداء اذا کان النداء فی المسجد، ھذا وجہ۔ ترجمہ: اذان نماز کے لیے بلانے کا نام ہے اور جو مسجد ہی میں ہو اسے بلانے کے کوئی معنی نہیں؛ کیوں کہ وہ تو حاضر ہی ہے۔ البتہ جو مسجد سے خارج ہے، مسجد کے اندر اذان ہو تو نہیں بھی سُن سکتا ہے۔ یہ معقول وجہ ہے۔ (مدخل ابن الحاج ج ۲ ص ۲۰۷)

سوال (۷): آپ کی نقل کردہ عبارتوں سے تو بالکل واضح ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی بھی مسجد سے باہر دینا ہی سنت اور اندر دینا خلاف سنت و مکروہ ہے، اور یہی حکم آج بھی ہے۔ مگر علامہ ابن عابدین شامی ''امداد'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اذا کان التفویت لامر عام فالاذان فی المسجد لا یکرہ لانتفاء العلۃ۔ ترجمہ: جب کسی امر عام کی وجہ سے لوگوں کی نماز فوت ہو جائے تو مسجد میں اذان دینا مکروہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہاں مکروہ ہونے کی علت مفقود ہے۔

جس سے بظاہر یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ علامہ شامی شاید یہ بتا رہے ہیں کہ داخل مسجد اذان کے (مکروہ) ہونے کی جو علت تھی وہ صورت مذکورہ میں مفقود ہے۔ داخل مسجد اذان کی کراہیت کی علت یہ تھی کہ اذان داخل مسجد ہوگی تو اس کی آواز دور دور تک نہیں پہنچے گی اور اس طرح جو اس کا مقصود ہے۔ لوگوں کو جماعت کی اطلاع دینا۔ وہ مقصود فوت ہو جائے گا۔ لیکن مذکورہ بالا صورت میں جب کہ کسی امر عام کے سبب، سب کی نماز قضا ہوگئی ہے اور جن کی نماز قضا ہوئی ہے وہ سب مسجد ہی میں موجود ہیں، یہاں کسی کو بلانا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف اذان کی سنت کو ادا کرنا مقصود ہے، تو اگر یہ اذان خارج مسجد دی جائے تو دوسرے لوگ اس سے خلجان اور شک وشبہ میں پڑ جائیں گے، اس لیے اس اذان کو داخل مسجد دینا ہی بہتر ہے۔

جواب: آپ حاشیۂ علامہ ابن عابدین شامی کی عبارت کو سمجھنے میں لغزش کا شکار ہو رہے ہیں۔ حاشیہ ابن عابدین ''درمختار'' کا حاشیہ ہے اور درمختار ''تنویر الابصار'' کی شرح۔ صاحب تنویر الابصار نے فرمایا تھا:

(لا فیما یقضی من الفوایت فی مسجد ویکرہ قضاؤ ھا فیہ) ترجمہ: مسجد میں قضا نماز پڑھی جائے تو اس کے لیے اذان سنت نہیں ہے، بلکہ قضا نماز مسجد میں پڑھنا ہی مکروہ ہے۔

صاحب درمختار نے اپنی شرح میں فرمایا:

لان فیہ تشویشا وتغلیطا۔ ترجمہ: کیوں کہ اس سے لوگوں کو تشویش ومغالطہ ہو جائے گا۔

اور مسجد میں قضا نماز پڑھنے کے مکروہ ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے بزازیہ کے حوالے سے فرمایا:

لان التاخیر معصیۃ فلا یظھرھا۔ "بزازیہ"۔ ترجمہ: کیوں کہ نماز قضا کرنا ہی گناہ ہے، تو اذان دے کر اس کا اعلان کیسے سنت ہوگا؟

اس پر علامہ ابن عابدین شامی نے پہلے ''امداد'' کے حوالے سے یہ نقل کیا:

انہ اذا کان التفویت لامر عام فالاذان فی المسجد لایکرہ لانتفاء العلۃ کفعلہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ التعریس اھ۔ ترجمہ: امر عام کی وجہ سے سب کی نماز قضا ہوگئی ہوتو مسجد میں اذان دے کر جماعت کے ساتھ قضا پڑھنا مکروہ نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں قضا کرنا گناہ نہیں لہٰذا اذان دینے سے گناہ کا اعلان نہیں ہوا جیسے لیلۃ التعریس کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی کئی نمازیں فوت ہوگئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان وجماعت کی ساتھ پڑھی تھی۔

پھر صاحب ''امداد'' پر استدراک کیا کہ:

لکن لیلۃ التعریس کانت فی الصحراء لافی المسجد۔ ترجمہ: 'لیلۃ التعریس کے موقع کی اذان کے ساتھ قضا' پر 'مسجد میں اذان کے ساتھ قضا' کو قیاس کرنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ لیلۃ التعریس کے موقع پر اذان کے ساتھ قضا ''صحرا'' میں پڑھی گئی تھی۔ (ج۲ص۵۴)

اس کے بعد فرمایا کہ:

علی انہ اذا کانت تفویت لامر عام لایکرہ ذالک للجماعۃ لان ھٰذا التاخیر غیر معصیۃ۔ ترجمہ: یہ اور بات ہے کہ امر عام کی وجہ سے نماز فوت ہوجائے تو یہ جماعت کے لیے مکروہ نہیں؛ کیوں کہ ایسی صورت میں قضا کرنا، گناہ نہیں ہے۔

غرض کہ یہاں نہ مسجد کے باہر اذان دینے کی بات بتائی گئی ہے نہ مسجد کے اندر اذان دینے کی، یہاں تو یہ بتایا گیا ہے کہ امر عام کی وجہ سے سارے لوگوں کی نماز قضا ہوگئی ہو تو اذان دے کر مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے کیوں کہ

اس صورت میں نماز قضا کرنا گناہ نہیں ہے۔ تو اس کے لیے اذان دینا دوسرے لفظوں میں نماز قضا ہوجانے کا اعلان کرنا بھی گناہ نہیں۔

سوال (۸): فتح الباری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقہا جنھوں نے اذان کا مقصود دور دراز کے لوگوں تک آواز پہونچانا بتایا ہے، وہ پنج گانہ نماز کی اذانیں ہیں، جمعہ کی اذان نہیں۔ جمعہ کی اذان کا مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو امام کے منبر پر بیٹھنے کا علم ہو، تاکہ وہ خطبہ سننے کے لیے خاموش ہوجائیں۔

جواب: اسی کو کہتے ہیں: **الغریق یتشبث بکل حشیش** ۔ یعنی ڈوبنے والا تنکے کا بھی سہارا ڈھونڈتا ہے۔ تمام فقہا جنھوں نے یہ فرمایا ہے کہ یہ اذان بھی باہر والوں کو آگاہی دینے کے لیے تھی تاکہ جو لوگ کسی وجہ سے حضرت عثمان کی اضافہ کردہ اذان کو سنے ہوں، اس اذان کو سن کر حاضر ہوجائیں، جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں ان کی عبارتیں نقل کرچکے ہیں، ان فقہا کے برخلاف ایک متاخر مالکی عالم مہلب کا وہ قول جس کو اُن کے ہم عصر ابن بطال نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

> **انما جعل التاذین فی ھٰذا الوقت، واللہ اعلم لیعرف الناس بجلوس الامام فینصتون لہ** ۔ ترجمہ: اس وقت (خطبہ سے پہلے) اذان دینا، اس بات کے لیے ہے کہ لوگ امام کے منبر پر بیٹھنے کی خبر ہوجائے تاکہ وہ خاموش ہوجائیں، اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ج ۲ ص ۵۰۵)

اور علامہ ابن حجر مکی نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے:

> **الحکمۃ فی جعل الاذان فی ھٰذا المحل لیعرف الناس بجلوس الامام علی المنبر فینصتون لہ اذا خطب** ۔ ترجمہ: مہلب نے کہا: اس جگہ اذان دینے کی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو امام کے منبر پر جلوہ افروز ہونے کا علم ہوجائے تاکہ وہ خطبہ کی سماعت کے لیے خاموش ہوجائیں۔

اسی قول کی پناہ مانگی جارہی ہے۔
حالاں کہ خود علامہ ابن حجر نے اس کو نقل کر کے حدیث پاک کی روشنی میں رد فرمادیا ہے:

وفیہ نظر، فان فی سیاق بن اسحاق عند الطبرانی وغیرہ عن الزہری فی ہٰذا الحدیث ان بلالا یؤذن علی باب المسجد فالظاہر انہ کان لمطلق الاعلام لالخصوص الانصات۔ ترجمہ: طبرانی وغیرہ نے ابن اسحاق سے، انہوں نے زہری سے اسی حدیث میں روایت کی ہے کہ حضرت بلال مسجد کے دروازے پر اذان دیتے تھے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ اذان مطلق اعلام (یعنی جو لوگ ابھی نہیں آسکے ہیں ان کو بلانے، اور جو لوگ آ گئے ہیں ان کو خاموش ہوجانے) کے لیے تھی۔

علامہ مہلب کی سمجھی ہوئی یہ غیر یقینی حکمت یوں بھی درست نہیں کہ جب یہ اذان صرف لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق، عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور عثمان غنی کی خلافت کے ابتدائی ایام میں لوگوں کو بلانے کے لیے سرے سے اذان ہی نہیں ہوئی؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک سے خلافت عثمانی کے ابتدائی ایام تک وہی ایک اذان تھی جو امام کے منبر پر بیٹھتے وقت ہوتی تھی۔

اگر کہئے کہ علامہ مہلب کی سمجھی ہوئی حکمت نادرست ہی سہی، مگر علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے جو فرمایا ہے کہ:

نعم، لما زید الاذان الاول کان للاعلام و کان الذی بین یدی الخطیب للانصات۔ ترجمہ: ہاں، جب (حضرت عثمان کے عہد خلافت میں) پہلی اذان کا اضافہ ہوگیا تو لوگوں کو بلانے کے لیے وہی ہوگئی، اور جو خطیب کو سامنے ہوتی تھی، لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے ہوگئی۔
وہ تو صحیح ہے؟

تو عرض ہے کہ علامہ ابن حجر نے جو حکمت اپنے طور پر بیان کی، اس کے مطابق تو حضرت عثمان نے ایک اذان زیادہ کر کے اصل سنت کو باقی رکھتے ہوئے اس کی تائید کے لیے اضافہ نہیں کیا، بلکہ اذان جو سنت رسول اور سنت ابوبکر وعمر تھی، اس کے مقصود کو بدل کر اس سنت ہی کا خاتمہ کر دیا (۵)۔ یعنی اس اذان کو صرف خطبہ سننے کے لیے خاموش رہنے کی خاطر کر کے جمعہ کی نماز کے لیے اذان ہی نہیں رہنے دیا۔ جو نہ تو خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کسی طرح متصور ہو سکتا ہے اور نہ ہی صحابہ سے لے کر تابعین وتبع تابعین، ائمہ مجتہدین ومجددین اور علما فقہا تک سب اسے برداشت کر سکتے تھے۔

علاوہ ازیں علامہ ابن حجر ایک متاخر شافعی ہیں اور فقہ کا یہ مسئلہ کسی فقہی کتاب میں نہیں، شرح حدیث میں فرماتے ہیں۔ جبکہ اصول افتا کا قاعدہ ہے کہ فقہی کتابوں کے برخلاف کوئی مسئلہ حنفی عالم کی بھی شرح حدیث کی کتاب، بلکہ اصول فقہ کی ہی کتاب، نہیں نہیں بلکہ خود فقہ ہی کی کتاب کے دوسرے ابواب میں ہو تو معتبر وہی ہوتا ہے جو فقہی کتاب کے اسی باب میں موجود ہو، جس باب کا وہ مسئلہ ہے۔

غمز عیون البصائر ج ۲ ص ۱۰۰ میں ہے:

لاعبرة بمافی کتب الاصول اذاخالف ماذکر فی کتب الفروع کما صرحوا به۔ ترجمہ: فقہی کتابوں کے برخلاف اصول کی کتابوں میں جو مسئلہ ہو، اس کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ فقہا نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

ردالمحتار ج ۶ ص ۳۹ کتاب الحدود میں ہے:

قال: فی الدر المنتقی: واستفید منه: ان الحکم المذکور فی بابه اولی من الحکم المذکور فی غیر

---

(۵) کیوں کہ فقہا فرماتے ہیں کہ کسی حکم شرعی کا مقصود فوت ہو جانے سے وہ حکم شرعی ہی فوت ہو جاتا ہے۔

بابه۔ترجمہ: در منتقی میں ہے: اس سے مستفاد ہوا کہ اپنے باب میں جو مسئلہ مذکور ہو، وہ غیر باب میں مذکور کی بہ نسبت اولی ہوتا ہے۔

سوال: اذان تو ذکر الٰہی ہے اور قرآن کریم نے مسجد میں ذکر الٰہی سے روکنے والوں کو ظالم قرار دیا ہے۔ پھر اس کا مسجد میں دیا جانا کیسے مکروہ ہوسکتا ہے؟

جواب: مکروہ تو میں نہیں کہہ رہا ہوں، ائمہ وفقہائے متقدمین نے کہا ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ان کی عبارتیں نقل ہو چکی ہیں۔ تو کیا ائمہ وفقہا حضرات کو سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ تو نص قرآنی کے مطابق ظلم وتعدی ہے؟

اچھا! جو حضرات اذان ثانی کو ذکر الٰہی ہونے کی وجہ سے مسجد کے اندر دینے، دلانے کو مکروہ نہیں سمجھتے ہیں، وہ بھی تو پنج وقتہ اذانوں کے اندرون مسجد دینے دلانے کو مکروہ مانتے ہیں۔ تو کیا صرف جمعہ کی اذان ثانی ہی ذکر الٰہی ہے، پنج وقتہ اذانیں ذکر الٰہی نہیں ہیں؟ اس کا جو جواب وہ حضرات پنج وقتہ نمازوں کے ذکر الٰہی ہونے کے باوجود مسجد کے اندر دینے دلانے کے سلسلہ میں عطا فرمائیں، وہی جواب ہماری طرف سے جمعہ کی اذان ثانی کے سلسلہ میں بھی قبول فرمالیں

۔ ویسے ہم بتادیں کہ قرآن کریم میں ذکر خالص سے روکنے والے کو ظالم کہا گیا ہے، اور اذان ذکر خالص نہیں ہے۔

چنانچہ ہدایہ ج ۱ ص ۷۲ میں ہے:

ويحول وجهه للصلاة والفلاح يمنة ويسرة لانه خطاب للقوم فيواجههم۔ترجمہ: مؤذن اذان میں حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح میں اپنا رخ دائیں بائیں موڑ لیں؛ اس لیے کہ ان الفاظ سے قوم کو خطاب ہے تو ان ہی کی طرف توجہ کی جائے۔

اس پر بنایہ ج ۲ ص ۱۱۱ میں ہے:

فان قلت: الاذان ذكر فكيف يقول انه شبه الذكر، وشبه

الشئ غیرہ، قلت: ھولیس بذکر خالص علی مالا یخفی ، وانما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر۔ ترجمہ: اگر یہ کہا جائے کہ اذان تو "ذکر" ہے، اس کو "ذکر کے مشابہ" کہنا کیسے صحیح ہوگا کیوں کہ مشبہ، مشبہ بہ کا غیر ہوا کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اذان ذکر خالص نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ اس کو ذکر اس لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کے بیشتر الفاظ "ذکر" ہیں۔

کنز الدقائق میں ہے:

یستقبل بھما القبلۃ۔۔۔۔ ویلتفت یمینا شمالا بالصلاۃ والفلاح۔ ترجمہ: اذان قبلہ رخ ہوکر کہیں اور حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح کے وقت دائیں بائیں مڑیں۔

بحر الرائق ج۱ ص۴۴۹ میں ہے:

لانہ فی حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالی والشھادۃ لہ بالوحدانیۃ، ولنبیہ بالرسالۃ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ، فالاحسن ان یکون مستقبلا، فاما الصلاۃ والفلاح دعاء الی الصلاۃ واحسن احوال الداعی ان یکون مقبلا علی المدعویین۔ ترجمہ: کیوں کہ اذان میں کلمہ شہادتین کہنے کی حالت، حالتِ ذکر ہے کہ اس میں اللہ تعالی کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت ہے۔ تو اس وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا ہی احسن ہے، اور حی علی الصلاۃ وحی علی الفلاح کہنے کی حالت، لوگوں کو نماز کے لیے بلانے کی حالت ہے، تو اس وقت یہی احسن ہے کہ بلانے والا، ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو، جن کو بلا رہا ہے۔

اسی کے ص۴۵۰ میں ہے:

وفی المحیط: یجب علی السامع للاذان الاجابۃ ویقول مکان " حی علی الصلاۃ" لا حول ولا قوۃ الا باللہ، ومکان " حی علی الفلاح " ماشاءاللہ کان ومالم یشاءلم یکن، لان اعادۃ ذالک یشبہ الاستھزاء لانہ لیس بتسبیح ولا تحلیل۔ ترجمہ: محیط میں ہے کہ اذان سننے والے کے لیے حکم ہے کہ وہ اذان کا جواب دے اور حی علی الصلاۃ کی جگہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہے۔ حی علی الفلاح کی جگہ 'ما شاءاللہ کان ومالم یشاءلم یکن کہے۔ کیوں کہ انہی کلمات کو دہرانے میں استہزا سے مشابہت ہو جائے گی۔ اس لیے کہ وہ کلمات تسبیح و تحلیل نہیں ہیں۔

صلاۃ مسعودی ج ۲ ص ۹۰ میں ہے:

ان فی الاذان مناجاۃ ومناداۃ، المناجاۃ ذکر اللہ تعالیٰ، والمناداۃ نداء الناس، فمادام فی ذکر اللہ یستقبل القبلۃ، واذا بلغ المناداۃ یحول وجھہ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قال الشیخ ابو القاسم الصفار: الدعاء الی الصلاۃ مناداۃ وباقیۃ ذکر اللہ تعالیٰ، لکن ظاھر الروایۃ ان الاذان کلہ من اولہ الی آخرہ دعاء الی الصلاۃ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ظاھر الروایۃ ان المؤذن اذا قال: "حی علی الصلاۃ" یقول المستمع: "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" فاذا قال: "حی علی الفلاح" یقول المستمع: "ماشاءاللہ کان، ومالم یشاءلم یکن" قال شیخ الاسلام برھان الدین: "ماکان العبد فی ذکر الرحمٰن یفر الشیطان" فاذا جاء نداء الخلق یعود، فاذا قیل: "لا حول

ولاقوۃ الا باللہ ماشاء اللہ کان‘‘یفر۔ مترجماً ترجمہ: بے شک اذان مناجات بھی ہے اور بلاوا بھی۔ مناجات ذکر الٰہی ہے، اور بلاوا لوگوں کو پکارنا ہے۔ موذن جب تک ذکر الٰہی میں ہوتا ہے تو قبلہ کی طرف رخ کئے رہتا ہے، اور جب بلاوا پر پہنچتا ہے، اپنا چہرہ (جن لوگوں کو بلاتا ہے ان کی طرف) پھیر لیتا ہے۔۔۔۔۔ شیخ ابو القاسم صفار نے فرمایا: نماز کے لیے بلانا منادات ہے اور باقی اللہ تعالی کا ذکر۔ لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اذان شروع سے آخر تک نماز کے لیے بلاوا ہے۔۔۔۔۔۔ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ موذن جب ’’حی علی الصلاۃ‘‘ کہے تو سُننے والا ’’**لا حول ولا قوۃ الا باللہ**‘‘ کہے اور جب موذن ’’حی علی الفلاح‘‘ کہے تو سُننے والا کہے ’’**ما شاء اللہ کان و مالم یشاء لم یکن**‘‘۔ شیخ الاسلام برہان الدین علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ: بندہ جب ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے پھر جب مخلوق کو پکارتا ہے تو شیطان لوٹ آتا ہے۔ پھر جب ’’لا حول ولا قوۃ الا باللہما شاء اللہ کان‘‘ کہا جاتا ہے تو شیطان پھر بھاگ جاتا ہے۔

الغرض اذان جب ذکر خالص ہے ہی نہیں تو آیت کریمہ میں جو حکم بیان ہوا ہے، اس کے دائرے میں بھی نہیں آتا؛ کیوں کہ قرآن کریم میں تو ذکر خالص سے روکنے والے کو ظالم کہا گیا ہے، غیر خالص سے روکنے والے کو نہیں۔

سوال: پھر کیا وجہ ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ سے پہلے ہندوستان میں کسی دوسرے عالم اور بزرگ نے اذان ثانی کو مسجد کے اندر دلانے کی طرف توجہ نہیں فرمائی؟ کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہاں کے سارے علما اور بزرگ اذان کے اس سنت سے چشم پوشی کرتے رہے؟

جواب: پہلی بات تو یہ کہ ہندوستان کی ساری مسجدوں میں یہ اذان کبھی بھی مسجد کے

اندر نہیں ہوئی۔ جیسے دہلی کی جامع مسجد میں آج تک یہ اذان منبر سے کئی گز کے فاصلہ سے میذنہ پر ہوتی ہے۔ اور مئذنہ مسجد سے خارج ہے، کیوں کہ مسجد بنتے وقت جو جگہ نماز کے علاوہ مسجد کی مصالح کے دوسرے کاموں کے لیے مخصوص کرلی جائے، وہ مسجد بہ معنی ما اعد للصلوۃ سے خارج رہتی ہے جیسے مئذنہ، حوض، اور امام کا حجرہ۔

فتاوی تتارخانیہ، ج ۸ ص ۱۶۲ کتاب الوقف، فصل ۱۹ میں ہے:

وفی الحاوی وفی المنتقی اذا بنی الرجل مسجدا وبنی فوقہ غرفۃ وھو فی یدہ فلہ ذالک، وان کان حین بناہ خلا بینہ وبین الناس ثم جاء بعد ذالک یبنی لا یترک۔ وفی جامع الفتاوی: ولو قال: عنیت ذالک لا یصدق۔ ترجمہ: حاوی او منتقی میں ہے: کسی آدمی نے مسجد تعمیر کی جس کے اوپر کمرہ بنایا لیکن ابھی اسے مسجد نہیں کیا تو درست ہے۔ اور تعمیر کرکے مسجد کردی پھر کمرہ بنایا تو اسے اجازت نہیں دی جائے گی۔ جامع الفتاوی میں ہے کہ: وہ یہ کہے کہ میری نیت ایسا ہی کرنے کی تھی تو بھی اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

درمختار مع ردالمحتار ج ۶ ص ۴۲۸ میں ہے:

فرع: لو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح، اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البنا منع ولو قال عنیت ذالک لم یصدق۔ ترجمہ: مسجد بناتے وقت اس کے اوپر امام کے لیے حجرہ بنانا چاہے تو اجازت ہے کہ وہ مصالح مسجد سے ہے، لیکن مسجد ہوجانے کے بعد اجازت نہیں۔ اگر کہے کہ میری نیت پہلے ہی سے تھی کہ اوپر حجرہ بناؤں گا، تو نہیں مانا جائے گا۔

اور بہت سی مسجدوں میں یہ اذان اندرون مسجد ہوئی تو اس کی کئی وجہیں ہوسکتی ہیں:

پہلی وجہ: کچھ مسجدوں میں دروازہ پر مئذنہ دیکھ کے لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ داخل

مسجد ہے، اس طرح انہوں نے داخل داخل یکساں سمجھ کر پہلی صف میں کرلیا۔ جیسے لاؤڈ اسپیکر آجانے کے بعد کئی جگہوں پہ لوگ پنج وقتہ اذانیں بھی اندرون مسجد ہی سے دے دیتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

دوسری وجہ: بعض حضرات کو **بین یدیه** کے لفظ سے دھوکا ہوا اور وہ یہ خیال نہ کر سکے کہ جس حدیث میں **بین یدیه** ہے، اسی حدیث میں **علی باب المسجد** بھی ہے جو باہر ہونے کو بتا رہا ہے۔

تیسری وجہ: کچھ لوگوں کو فقہ کی بعض کتابوں میں اس کی تعبیر لفظ "**عند**" سے کرنے کی بنا پر التباس ہو گیا اور وہ سمجھ گئے کہ اس سے تو "قرب" مفہوم ہو رہا ہے، اور یہ خیال نہیں کیا کہ "قرب" امر اضافی ہے جو مسجد کے اندر اور باہر دونوں پر صادق ہے۔

چوتھی وجہ: بعض کتابوں مثلاً، قدوری، فتح القدیر، وقایہ، کنز ہدایہ وغیرہ میں:

الاقامة كالاذان، الاقامة مثل الاذان

اور نور الایضاح کے اندر خاص سنن خطبہ کے بیان میں

الجلوس على المنبر قبل الشروع فى الخطبة والاذان بين يديه كالاقامة

کے الفاظ سے اشتباہ ہوا حالاں کہ یہ تشبیہ عددِ کلمات، ترتیب اور سنت ہونے میں ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے:

اى مثل الاذان فى كونه سنة الفرائض فقط و فى عدد كلماته وفى ترتيبها۔

اس طرح رفتہ رفتہ وہ اندر ہوتی گئی اور اسی کا رواج پڑ گیا۔

جن علما نے اسے سنت کے خلاف سمجھا، اور سائل کے لفظوں میں چشم پوشی سے کام لیا، انہوں نے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

اذا رأيتم امراً لا تستطيعون تغييره فاصبروا حتى يكون

اللہ ھو الذی یغیرہ۔ ترجمہ: جب تم کوئی ایسا کام دیکھو جس کے بدلنے کی طاقت نہیں رکھتے ہو تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالی اسے بدل دے۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۱۴۹ حدیث ۹۸۰۲)

اور

ائتمروا بالمعروف وتناھوا عن المنکر حتی اذا رأیت شحا مباعا وھو متبعا ودنیا مؤثرۃ واعجاب کل ذی رأی برایہ ورأیت امرالا یدان لک بہ فعلیک خویصۃ نفسک ودع امر العوام۔: ترجمہ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو تا آں کہ بخل کی حکومت دیکھو، خواہشات نفس کی پیروی کی جانے لگے اور لوگ دنیا کو اختیار کر چکے ہوں، ہر رائے والا اپنی رائے پسند کرے۔ ایسے میں کوئی ضروری معاملہ درپیش ہو تو تم اپنے نفس کو لازم پکڑو اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن ص ۲۹۹)

کے مطابق رخصت پر عمل کرتے ہوئے کتابوں میں: ''لا یؤذن فی المسجد ترجمہ: مسجد اذان نہ دی جائے''۔ اور: ''ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی المسجد۔ ترجمہ: اذان مسجد کے حدود میں ہو کیوں کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے'' لکھے ہونے پر اکتفا کی۔ جس کی نظیر وقف کی زمین کے اجارہ کا یہ مسئلہ ہے۔

ان مسئلۃ البناء والغرس علی ارض الوقف کثیرۃ الوقوع فی البلدان خصوصا فی دمشق، فان بساتینھا کثیرۃ واکثرھا اوقاف غرسھا المستاجرون وجعلوھا املاکا، واکثر اجارتھا باقل من اجر المثل اما ابتداء، واما بزیادۃ الرغبات، وکذالک حوانیت البلدان فاذا طلب المتولی او القاضی رفع اجارتھا الی اجر المثل

،یتظلم المستاجرون ویزعمون انہ ظلم، وھم ظالمون، وبعض الصدور والاکابر یعاونونھم ویزعمون ان ھٰذا تحریک فتنۃ علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علی ماھی علیہ وان شر الامور محدثاتھا، ولا یعلمون ان الشرفی اغضاء العین عن الشرع وان احیاء السنن عند فساد الامۃ من افضل الجھاد واجزل القرب۔

وقف کی زمین پر مکان بنانے اور درخت لگانے کا معاملہ وقف کے اجیروں میں کثیر الوقوع ہے، خصوصا دمشق میں کیوں کہ وہاں باغ بہت ہیں اور اکثر وقف ہیں۔ اجیروں نے درخت لگا کر ان کو اپنی ملک بنالیا ہے۔ جن میں سے اکثر کا کرایہ اجرت مثل سے کم ہے۔ کچھ تو شروع ہی سے اور کچھ رغبات میں زیادتی کے باعث۔ جب متولی اور قاضی سے ایسے اجاروں کے ختم کرنے کے لیے کہا جاتا ہے اور اجرت مثل پر ان زمینوں کے کرایہ پر اٹھانے کی بات کی جاتی ہے تو ان زمینوں کے پُرانے کرایہ دار فریاد کرتے ہیں اور اس کو ظلم قرار دیتے ہیں حالاں کہ وہ خود ہی ظالم ہیں۔ بعض صدور واکابر ان کی حمایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا ہے۔ اس لیے جیسا اب تک ہوتا آیا ہے ویسا ہی عمل درآمد ہوتے رہنا چاہئے کہ نئی بات پیدا کرنا سب سے بری بات ہے۔ اور نہیں جانتے کہ برائی کے وقت شریعت سے چشم پوشی ہی بری ہے ،اور امت میں بگاڑ کے وقت سنت کا زندہ کرنا جہاد سے افضل اور بزرگ ترین عبادت ہے۔ (ردالمحتار ج ۹ ص ۷،۳۴۸)

اور جن بزرگوں پر یہ منکشف ہوا کہ اس ''بدعت'' کا ازالہ ''فلاں'' کے ہاتھ سے مقدر ہے، انہوں نے دوسری برائیوں کے مٹانے کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی۔ جیسے بعض

بدعتوں کا ازالہ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھوں سے ہونا مقدر تھا، تو حضرات صحابہ وتابعین کے دور میں ان کا قلع قمع نہیں ہوا۔ اور جن بدعتوں کا ازالہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہونا مقدر تھا تو ان سے پہلے کے بزرگوں نے ان کا قلع قمع نہیں فرمادیا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ: ''کم ترک الاولون للآخرین۔
ترجمہ: بہت سے کام پہلے والوں نے بعد والوں کے لیے چھوڑ رکھے''
لہٰذا پرانے علما اور مشائخ پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہاں! جو مسئلہ کی حقیقت واضح ہوجانے کے بعد بھی اپنی پرانی روش پر قائم رہے۔ یا۔ قائم رہیں، وہ ضرور تارک سنت ہیں۔

خلاصہ کلام

(۱) اہل سنت کے چاروں مذہبوں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں اذان پنج وقتہ ہو یا جمعہ کی، اس سے اصل مقصود غیر موجود لوگوں کو نماز کے لیے بلانا ہے۔

(۲) چاروں مذہبوں میں اونچی جگہ اور بلند آواز سے اذان دینا سنت ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر صدیق، عمر فاروق، پھر عثمان غنی، علی مرتضی، امام حسن رضی اللہ عنھم نے خطبہ کی اذان ہمیشہ مسجد سے باہر دلوائی۔

(۴) ان مبارک زمانوں میں اسلامی دنیا کے اندر جتنی مسجدیں بنیں اور وہاں جمعہ ہوا سبھی جگہوں پر اذان مسجد سے باہر ہوئی۔

(۵) اس کے بعد امیر معاویہ کے عہد حکومت سے لے کر پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما کے دور زریں تک جتنے ممالک اسلام کے زیر نگیں آئے اور وہاں جمعہ قائم ہوا، ہر جگہ مسجد سے باہر ہی اذان ہوئی۔

(۶) اہل سنت کے چار مذہبوں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں سے کسی مذہب میں مسجد کے اندر اذان دلانے کا کوئی ثبوت نہیں۔

(۷) مسجد کے اندر اذان دینا اور دلانا سنت مستمرہ کے خلاف اور بدعت و مکروہ ہے۔

(۸) حضور غوث پاک، حضرت داتا علی ہجویری، حضرت خواجہ غریب نواز، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت بختیار کا کی، حضرت نظام الدین محبوب الٰہی، حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی، حضرت مخدوم بہار شیخ شرف الدین احمد بن یحیٰ منیری، حضرت مخدوم جہانگیر سمنانی رضی اللہ عنہم سے ہر گز یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی مسجد کے اند اذان دی ہو یا دلوائی ہو۔

(۹) اب جو بعض بلاد میں مسجد کے اندر اذان دینے اور دلانے پر تعامل وتوارث ہوگیا ہے تو یہ تعامل وتوارث حادث ہے جو سنت مستمرہ اور نص تقریری کے خلاف ہے، اس لیے نہ تو وہ حجت ہے نہ اس کے مطابق عمل جائز ہے۔ شامی میں ہے: ''**ولا عبرة بالعرف الحادث اذا خالف النص**۔ ترجمہ: عرفِ حادث نص کا معارض ہو تو اس کا اعتبار نہیں''۔

(۱۰) اصرار کے ساتھ مسجد کے اندر اذان دینا اور دلوانا سنّت مستمّرہ کے خلاف، بدعت سیئہ اور مکروہ وگناہ ہے۔

جامعہ نوریہ شام پور

مناظر اعظم ہند، فقیہ النفس حضرت علامہ و مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدظلہ العالی نے 1995 میں مدرسہ جامعہ نوریہ کی بنیاد رکھی اور آج تقریبا ڈھائی ایکڑ زمین میں ۲۲ کمروں پر مشتمل جامعہ کی پر شکوہ عمارت تشنگان علوم کو دعوت نظارہ دی رہی ہے بفضلہ تعالی حضرت مفتی کی سرپرستی ونگرانی میں جامعہ نوریہ، شام پور، عربک یونیورسیٹی تک بڑی سرعت کے ساتھ عروج کی منزلیں طے کرتا گیا۔ آج مدرسے میں عصر حاضر کے مطابق درس نظامی، حفظ و قرأت کی تعلیم کا نظم اور ۱۵۰ بیرونی طلبہ کی تعلیم وتربیت، خوردنوش اور رہائش کا مکمل انتظام ہے تقریبا ایک درجن ماہر اساتذہ اپنی محنت وجانفشانی سے فرزندان اسلام کو زیور علم سے آراستہ کرر ہے ہیں۔ جامعہ کی تعلیمی وعملی سرگرمیاں روزافزوں ہے اب تک متعدد جماعتیں عالم، فاضل، قاری، حافظ ہوکر مختلف مقامات پر دین اسلام کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں

یہاں ابتدا سے مفتی تک کی تعلیم دی جاتی ہے، ساتھ ہی بقدر ضرورت ہندی۔ حساب، انگلش، تاریخ، جغرافیہ، فزیکس بھی پڑھایا جاتا ہے ☆ اردو، عربی اور کمپیوٹر ڈپلوما:۔ قومی کونسل آف انڈیا کے تحت اردو اور عربی نیز کمپیوٹر ڈپلوما کورس کرایا جاتا ہے ☆ درسگاہیں اور ہوسٹلس:۔ کئی ایکڑ زمین پر لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ الگ درسگاہیں اور ہوسٹلس ہیں ☆ مدرسۃ البنات:۔ اس میں فی الحال یوپی اور بہار و بنگال کی کل ۴ معلمات کے ذریعہ تعلیم دی جارہی ہے ☆ غریب ونادار، طلبہ کو مفت کھانے کی سہولت کے علاوہ عام بیماریوں میں جامعہ کی طرف سے علاج بھی مفت کرایا جاتا ہے۔

برادران اسلام! جامعہ نوریہ پورے بنگال میں اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ ہے۔ ہر موسم خیر میں اس کو خصوصیت کے ساتھ یاد رکھیں اور اس کے مزید تعلیمی و تعمیری منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں ہماری مدد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں آپ کو اس

کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔آمین!

جامعہ نوریہ شام پور کے کچھ منصوبے شعباجات جو عمل میں آچکے ہیں

(۱)دارالافتاء(۲)درس نظامی(۳)قرأت مکمل(۴)حفظ(۵)نشر اشاعت(۶) دعوت تبلیغ(۷)لائبریری(۵)کمپیوٹر(۶)ٹاپنگ سینٹر

مصروف عمل شعبہ جات

(۱)تخصص فی الفقہ(۲)تخصص فی الادب والدعوی(۳)ٹرینگ مناظرہ(۴)ٹرینگ تدریس،تصنیف وتالیف،خطابت،صحافت(۷)سلائی سنٹر(۸)ودیگر ٹیکنیکل چیزیں

مستقبل کے تعمیری منصوبے

(۱)دارالاقامہ(برائے رہائش طلبہ)(۲)دارالمطالعہ(فقیہ النفس لائبریری جوکہ زیر تعمیر ہے)(۴)دارالتدریس(نوری درسگاہ)(۵)ڈائننگ ہال(غریب نواز ہال)(۶)کمپیوٹر ہال(۷)فیملی کواٹرس(جوکہ زیر تعمیر ہے)

امداد کے طریقے

(۱)کوئی کمرہ بنوائیں(۲)ایک طالب علم کی کفالت فرمائیں(۳)ایک مدرس کی تنخواہ کی ذمہ داری لیں(۴)درسی وغیر درسی کتابیں یا کمپیوٹر وقف فرمائیں(۵)زکوۃ فطرہ ودیگر عطیات دیں یا دلوائیں(۶)یا کم از کم حمایت فرمائیں

یہ ادارہ مغربی بنگال میں اپنی نوعیت کا منفرد اور مرکزی ادارہ ہے لہذا اپنی نظر عنایات جامعہ کے تعمیری وتعلیمی منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہونچائیں۔فجزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدارین فقط والسلام

محمد احمر رضوی
ناظم اعلیٰ
جامعہ نوریہ،شام پور،رائے گنج،اتر دیناج پور بنگال
Mob.8942832397

القلم فاؤنڈیشن پٹنہ

کی مطبوعات اک نظر میں

	قیمت
■ منتخب مسائل فتاویٰ رضویہ	200
■ کنزالایمان نمبر	200
■ رضویات کا شاریہ نمبر	150
■ حجۃ الاسلام نمبر	200
■ فقیہ ابن فقیہ	100
تنقید برمحل	150
■ امام حرم اور ھم	50
■ منظوم مناظرہ	30
■ فتاویٰ رضویہ اور مچھلی کا مسئلہ	50
■ تجارت کے رہنما اصول	50
■ زندگی گزارنے کے رہنما اصول	50
■ سہ ماہی ''رضا بک ریویو	فی شمارہ 25
■ دو ماہی الرضا انٹرنیشنل	فی شمارہ 25

باب الاقامۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اقامت کے وقت کھڑے ہونے سے متعلق مختلف حدیثیں مروی ہیں:

(۱) مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ:

اقیمت الصلاۃ فقمنا فعدلنا الصفوف قبل ان یخرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: نماز کی اقامت کہی گئی اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی کھڑے ہو کر صفیں درست کر لیں۔ (ج ۱ ص ۲۲۰)

(۲) مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ ہی سے مروی ہے کہ:

ان الصلاۃ کانت تقام لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیأخذ الناس مصافھم قبل ان یقوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقامہ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر اقامت کہی جاتی اور لوگ آپ کے مصلی پر کھڑے ہونے سے پہلے صفوں میں اپنی اپنی جگہ لے لیتے۔ (ج ۱ ص ۲۲۰)

(۳) صحیحین میں حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذا اقیمت الصلاۃ فلا تقوموا حتی ترونی۔

ترجمہ: جب اقامت کہی جائے تو اس وقت تک مت کھڑے ہو جب تک مجھے تشریف لاتے دیکھ نہ لو۔ (بخاری ج ا ص ۸۸ مسلم ج ا ص ۲۲۰)

(۴) مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہ:

کان بلال یؤذن اذا دحضت فلا یقیم حتی یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا خرج اقام الصلاۃ حین یراہ۔

ترجمہ: حضرت بلال سورج ڈھلنے پر اذان کہتے اور اقامت اس وقت تک نہ کہتے جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے نہ دیکھ لیتے۔ جب آپ کو تشریف لاتے دیکھ لیتے تب اقامت کہتے۔ (ج ا ص ۲۲۱)

(۵) ترمذی شریف میں انہی سے مروی ہے کہ:

کان مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمهل فلا یقیم حتی اذا رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد خرج اقام الصلاۃ حین یراہ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکبّر جب تک آپ کو دیکھ نہیں لیتے تکبیر کہنے میں تاخیر کرتے جب آپ کو تشریف لاتے دیکھ لیتے تب تکبیر کہتے۔ (ج ا ص ۲۸)

(۶) مجمع الزوائد میں حضرت عبداللہ بن اوفی سے مروی ہے کہ:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قال بلال: قد قامت الصلاۃ نهض۔ ترجمہ: جب حضرت بلال قد قامت

الصلاۃ کہتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے۔(ج ۲ ص ۵)

(۷) حضرت ام حبیبہ کہتی ہیں کہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی بیتھا فسمع المؤذن فقال کما یقول فلما قال حی علی الصلاۃ نھض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الصلاۃ۔

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ مکبّر کے تکبیر کہنے کی آواز سنی تو اسے دہرایا جب مکبّر نے حی علی الصلاۃ کہا تو آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔(مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۸۱)

اس لیے شارحین حدیث: امام نووی نے شرح مسلم میں، امام ابن حجر نے فتح الباری میں، امام بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں اور امام زرقانی نے شرح موطا میں اس تعارض کو اس طرح دور فرمایا ہے کہ جن حدیثوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی اقامت کہ لینے اور صحابہ کے کھڑے ہوجانے کا تذکرہ ہے، وہ دراصل معمول نہیں تھا، صرف ایک دوبار بیان جواز کے لیے ایسا ہوا تھا۔ اس کے بعد سرکار نے **لاتقوموا حتی ترونی**۔ جب اقامت کہی جائے تو اس وقت تک مت کھڑے ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو' ارشاد فرما کر ممانعت کردی تھی۔ چنانچہ:

فتح الباری ج ۲ ص ۱۲۰، اور شرح موطا للزرقانی ج ۱ ص ۲۷۹ میں ہے:

ان صنیعھم فی حدیث ابی ھریرۃ کان سبب النھی عن ذالک فی حدیث ابی قتادۃ وانھم کانوا یقومون ساعۃ تقام الصلاۃ ولولم یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنھاھم عن ذالک۔

ترجمہ: کبھی صحابہ اقامت سے پہلے ہی کھڑے ہوجاتے خواہ

سرکاردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری نہ ہوئی ہوتی، اسی وجہ سے آپ نے ان کو منع فرمایا۔

شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۲۱، اور عمدۃ القاری ج ۵ ص ۱۵۴ میں ہے:

لعله كان مرة او مرتين او نحوهما لبيان الجواز اولعذر ولعل قوله صلى الله عليه وسلم (فلا تقوموا حتى ترونى) كان بعد ذالك۔

ترجمہ: غالبا صحابہ نے یہ بتانے کے لیے کہ پہلے کھڑا ہوجانا بھی ناجائز نہیں ہے، ایک دو مرتبہ ایسا کیا تھا یا کوئی عذر پیش آگیا تھا جس کی وجہ سے ایسا کیا تھا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ جب تک مجھے دیکھ نہ لو، کھڑے نہ ہوا کرو۔

شیخ محقق نے اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۲۱ میں فرمایا ہے:

وشاید کہ بیروں آمدن آں حضرت دریں وقت می بود۔

ترجمہ: شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکبّر کے حی علی الصلاۃ / حی علی الفلاح کہنے کے وقت ہی تشریف لاتے۔

ترمذی ج ۱ ص ۶۷ کے حاشیہ پر لمعات کے حوالے سے ہے:

يحتمل انه صلى الله عليه وسلم كان يخرج عند هٰذا القول۔

ترجمہ: احتمال ہے کہ سرکاردو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکبّر کے حی علی الصلاۃ / حی علی الفلاح کہتے وقت تشریف لاتے ہوں۔

آثار صحابہ (رضی اللہ عنہم)

(۱) امام عبدالبر کی الاستذکار میں حضرت ابویعلی کی روایت ہے کہ:

رأيت انس بن مالك اذا قيل قد قامت الصلاة قام فوثب۔

ترجمہ: میں نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا کہ جب قد قامت الصلاۃ کہا گیا تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ (ج ۱ ص ۳۹۱)

(۲) مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ عبداللہ بن یزید کہتے ہیں:

فلما قال: قد قامت الصلاۃ قام حسین۔

ترجمہ: موذن نے اقامت کہنی شروع کی، جب قد قامت الصلاۃ پر پہنچا تو حضرت حسین کھڑے ہوئے۔ (ج ۱ ص ۵۰۵)

(۳) اسی میں ہے کہ ابو خالد الوالبی کہتے ہیں:

ان علیا خرج علیهم حین اقیمت الصلاۃ وهم قیام فقال مالکم سامدین؟

ترجمہ: اقامت ہوتے وقت حضرت علی تشریف لائے تو لوگوں کو دیکھا کہ کھڑے ہیں۔ اس پر فرمایا: تم لوگ کیوں متحیر کھڑے ہو؟ (ج ۱ ص ۵۰۴)

(۵) مصنف عبدالرزاق ہی میں ہے کہ حضرت عطیہ بیان فرماتے ہیں:

کنا جلوسا عند ابن عمر فلما اخذ المؤذن فی الاقامة قمنا فقال ابن عمر اجلسوا فاذا قال قد قامت الصلاۃ فقوموا۔

ترجمہ: ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، جب موذن نے اقامت کہنا شروع کیا، ہم لوگ کھڑے ہو گئے تو حضرت عبداللہ ابن عمر نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، جب موذن قد قامت الصلاۃ کہنے لگے تب کھڑے ہونا۔ (ج ۱ ص ۵۰۶)

تابعین عظام کے آرا:

(۱) عمرو بن مہاجر کہتے ہیں کہ:

رأیت عمر بن عبدالعزیز و محمد بن کعب القرظی وسالم بن عبداللہ و اباقلابۃ و عراک بن مالک الغفاری ومحمد بن مسلم الزھری و سلیمان بن حبیب یقومون الی الصلاۃ فی اول بدء الاقامۃ۔

ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز، محمد بن کعب القرظی، سالم بن عبداللہ، ابوقلابہ، عراک بن مالک، محمد بن مسلم اور سلیمان بن حبیب اقامت شروع ہوتے ہی نماز کے لیے کھڑے ہوتے۔ (الاستذکار ج ۱ ص ۳۹۱)

(۲) عن الحسن وابن سیرین انھما کانا یکرھان ان یقوما حتی یقول المؤذن قد قامت الصلاۃ۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری اور ابن سیرین قد قامت الصلاۃ سے پہلے کھڑے ہونے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ (الاستذکار ج ۱ ص ۳۹۱)

(۴) مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت عطا سے پوچھا گیا:

انہ یقال: اذا قال المؤذن قد قامت الصلاۃ فلیقم الناس حینئذ؟ قال نعم۔

ترجمہ: لوگ کہتے ہیں کہ جب موذن قد قامت الصلاۃ کہے تب لوگ کھڑے ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ (ج ۱ ص ۵۰۵)

(۳) معاویہ بن قرۃ فرماتے ہیں:

کانوا یکرھون ان ینھض الرجل الی الصلاۃ حین یأخذ المؤذن فی اقامتہ۔

ترجمہ: لوگ مکروہ سمجھتے تھے کہ آدمی اقامت کے شروع میں نماز کے لیے کھڑا ہو جائے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۸۰)

ائمہ مجتہدین کے مذاہب:

(۱) امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ کھڑے ہونے کی کوئی حد تو متعین نہیں ہے؛ کیوں کہ ان تک اس سلسلے میں کوئی حدیث نہیں پہنچی۔ وہ فرماتے ہیں:

اما قیام الناس، حین تقام الصلاۃ فانی لم اسمع فی ذالک بحدیقام لہ، الا انی أری ذالک علی قدر طاقۃ الناس، فان منھم الثقیل والخفیف، ولا یستطیعون ان یکونوا کرجل واحد۔

ترجمہ: اقامت کے وقت لوگ کب کھڑے ہوں اس کی کوئی متعین حد کے تعلق سے میں نے کوئی حدیث نہیں سُنی ہے۔ اس لیے میں اسے لوگوں کی طاقت پر چھوڑتا ہوں جو بھاری جسم والا ہوگا اسے کھڑے ہوجانے میں کچھ دیر لگے گی اور جو ہلکے جسم والا ہوگا کچھ پہلے کھڑا ہوجائے گا۔ (مؤطا امام مالک ج ۱ ص ۷۰ دار الاحیا، بیروت)

فتح الباری میں ہے:

وقال مالک فی المؤطا: لم اسمع فی قیام الناس حین تقام الصلاۃ بحد محدود الا انی اری ذالک علی طاقۃ الناس فان منھم الثقیل والخفیف۔

ترجمہ: امام مالک نے مؤطا میں فرمایا کہ نماز کے لیے کس وقت کھڑے ہوں؟ اس کی متعین حد سے متعلق کوئی حدیث میں نے نہیں سُنی ہے۔ اس لیے میں اسے لوگوں کی حالت پر چھوڑتا ہوں۔ کیوں کہ کچھ لوگ بھاری جسم کے ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ہلکے جسم کے۔ (ج ۲ ص ۱۲۰)

امام مالک کے علاوہ باقی تمام ائمۂ کرام حی علی الصلاۃ کے بعد ہی کھڑے ہونے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

عمدۃ القاری میں ہے:

وقد اختلف السلف متی یقوم الناس الی الصلاۃ؟ فذهب مالک۔ وجمهور العلماء الی انه لیس لقیامهم حد۔

ترجمہ: اسلاف میں اختلاف رہا ہے کہ اقامت ہو تو نماز کے لیے کب کھڑا ہوا جائے؟ امام مالک اور جمہور علما اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اس کی کوئی متعین حد نہیں ہے۔

(۲) امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اقامت ختم ہونے پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔

اسی میں ہے:

ومذهب الشافعی وطائفة انه یستحب ان لا یقوم حتی یفرغ الموذن من الاقامة۔ ترجمہ: امام شافعی اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مکبّر جب تکبیر کہہ کر فارغ ہو جائے تب کھڑا ہونا مستحب ہے۔

ابواسحاق بن ابراہیم شافعی (ت ۴۷۶) کی المہذب میں ہے:

اذا ارادان یصلی فی جماعة لم یقم حتی یفرغ الموذن من الاقامة۔

ترجمہ: جماعت سے نماز پڑھیں تو جب تک موذن اقامت سے فارغ نہ ہو جائے کھڑے نہ ہوں۔

(ج ۳ ص ۲۵۲)

امام نووی (ت ۶۷۶) کی منہاج الطالبین میں ہے:

ولا یقوم حتی یفرغ المؤذن من الاقامة۔

ترجمہ: جب تک موذن اقامت کہہ کر فارغ نہ ہو جائے کھڑے نہ ہوں۔

(ج ا ص ۴۱)

(۳) امام احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ مکبّر قد قامت الصلاۃ کہے تب کھڑے ہوں۔

امام محفوظ بن احمد الکلوذانی (ت ۵۱۰) کی الھدایہ علی مذہب الامام احمد ج ۱ ص ۸۱ میں ہے:

واذا قال المؤذن: قد قامت الصلاۃ قام الی الصلاۃ الناس۔ ترجمہ: موذن جب قد قامت الصلاۃ کہے تو لوگ نماز کے لیے کھڑے ہوں۔

امام ابن قدامہ (ت ۶۲۰) کی الکافی فی فقہ الامام احمد ج ۱ ص ۲۴۲ میں ہے:

ویستحب القیام للمکتوبۃ عند قول المؤذن: قد قامت الصلاۃ
ترجمہ: مستحب ہے کہ فرض نماز کے لیے اس وقت کھڑے ہوں جب موذن قد قامت الصلاۃ کہے۔

(۴) امام اعظم جن کے ہم مقلد ہیں اور جن کی نسبت سے حنفی کہلاتے ہیں، ان کے مذہب میں تفصیل ہے:

(۱) ہندوستان کے عام معمول کے مطابق جب موذن اور امام الگ الگ ہوں اور امام ومقتدی اقامت سے پہلے ہی مسجد میں موجود رہیں، تو امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد تینوں کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اقامت کہنے والا جب حی علی الفلاح کہے تب کھڑے ہوں۔

اصل یعنی امام محمد کی مبسوط ج ۱ ص ۱۹ میں ہے:

قال: اذا کان الامام معھم فی المسجد فانی احب لھم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔
ترجمہ: مقتدی وامام مسجد میں ہوں تو میں ان کے لیے پسند کرتا ہوں کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو وہ صف میں کھڑے ہوں۔

امام سرخسی (ت ۴۹۰) اپنی مبسوط ج ۱ ص ۱۴۰ میں فرماتے ہیں:

ان کان الامام مع القوم فی المسجد فانی احب لھم ان

یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح ---- وھذا اذا کان المؤذن غیر الامام۔

ترجمہ: امام و مؤذن الگ الگ ہوں اور امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہو تو میں ان کے لیے پسند کرتا ہوں کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو وہ صف میں کھڑے ہوں۔

امام الفقیہ ظہیر الدین الولوالجی (ت ۵۴۰) فتاویٰ الولوالجیہ ج۱ ص ۴۳ مطبوعہ دیوبند میں فرماتے ہیں:

ویجب علی القوم ان یقوموا فی الصف اذا کان الامام معھم اذا قال المؤذن حی علی الصلاح / حی علی الفلاح لانہ حث علی القیام للصلاۃ ---- ھذا اذا کان الامام معھم۔

ترجمہ: جب امام مقتدیوں کے ساتھ ہوں تو تکبیر کہنے والے کے حی علی الصلاۃ / حی علی الفلاح کہنے پر کھڑے ہوں۔ کیوں کہ حی علی الصلاۃ / حی علی الفلاح کہنا نماز کے لیے کھڑے ہونے پر برانگیختہ کرنا ہے۔

ملک العلما امام علاء الدین کاسانی (ت ۵۸۷) بدائع الصنائع ج۱ ص ۲۰۰ میں لکھتے ہیں:

ان المؤذن اذا قال حی علی الفلاح فان کان الامام معھم فی المسجد یستحب للقوم ان یقوموا فی الصف ---- لنا ان قولہ حی علی الفلاح دعاء الی ما بہ فلاحھم وامر بالمسارعۃ الیہ فلا بد من الاجابۃ الی ذالک ولن تحصل الاجابۃ الا بالفعل وھو القیام الیھا فکان ینبغی ان یقوموا عند قولہ حی علی الصلاح لما ذکرنا غیر انا نمنعھم عن القیام کی لا یلغو قولہ حی علی الفلاح لان من وجدت منہ المبادرۃ الی شئ فدعاءہ الیہ

بعد تحصیلہ ایاہ یلغو من الکلام۔

ترجمہ: امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہوں تو قوم کے لیے مستحب ہے کہ تکبیر کہنے والا جب حی علی الفلاح کہے تو صف میں کھڑے ہوں۔ دلیل یہ ہے کہ مکبّر کا حی علی الفلاح کہنا قوم کو اس کام کے لیے بلانا ہے جس میں ان کی فلاح ہے اور اس کی تعمیل کا حکم ہے تو ضروری ہے کہ اس کی تعمیل ہو اور تعمیل کھڑے ہونے ہی میں ہے تو مناسب تھا کہ حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوتے مگر ہم حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہونے کو منع اس لیے کر رہے ہیں کہ اس صورت میں حی علی الفلاح کہنا لغو ہو جائے گا کیوں کہ جس نے کسی کام پر سبقت کی اور وہ کام کر لیا مگر پھر بھی اس کو اسی کام کی دعوت دینا کلام کو لغو کر دینا ہے۔

امام برہان الدین (ت ٦١٦) محیط ج ۱ ص ۳۵۳ میں فرماتے ہیں:

قال محمد فی الاصل ان کان الامام مع القوم فی المسجد فانی احب لھم ان یقوموا فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔ یجب ان یعلم بان ھٰذہ المسئلۃ علی وجھین اما ان یکون المؤذن غیر الامام او یکون ھو الامام، فان کان غیر الامام وکان الامام مع القوم فی المسجد فانہ یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ۔

ترجمہ: امام محمد نے اصل میں فرمایا ہے: جب امام مقتدیوں کے ساتھ مسجد میں ہوں تو میں ان کے لیے مستحب سمجھتا ہوں کہ مؤذن حی علی الفلاح کہیں تب کھڑے ہوں۔ یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں (الف) امام و مؤذن الگ الگ ہوں (ب) امام ہی اذان کہے۔ امام و مؤذن الگ الگ ہوں اور امام مقتدیوں کے ساتھ

مسجد میں ہوں تو ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ امام ومقتدی سبھی اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حی علی الفلاح کہے۔

امام عبداللہ بن محمود الموصلی (ت ۶۸۳)

الاختیار لتعلیل المختار، ج ۱ ص ۴۴ میں فرماتے ہیں:

اذاقال حی علی الصلاۃ قام الامام والجماعۃ۔

ترجمہ: تکبیر کہنے والا جب حی علی الصلاۃ کہے تب امام اور مقتدی کھڑے ہوں۔

حضرت برہان الشریعہ محمود المحبوبی کی وقایہ میں ہے:

ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاۃ۔

ترجمہ: امام اور قوم حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوں۔

امام نسفی (ت ۷۱۰) کی کنز الدقائق میں ہے:

وآدابھا۔۔۔۔القیام حین قیل حی علی الفلاح۔

ترجمہ: نماز کا ایک ادب یہ ہے کہ کھڑے اس وقت ہوں جب حی علی الفلاح کہا جائے۔

امام فرید الدین (ت ۷۸۶) فتاوی تاتارخانیہ ج ۲ ص ۱۵۹ میں فرماتے ہیں:

قال محمد فی الاصل: اذاکان الامام مع القوم فی المسجد فانہ یقوم الامام والقوم اذا قال الموذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثۃ۔۔۔ھٰذا اذاکان الموذن غیر الامام والامام حاضر فی المسجد۔

ترجمہ: امام محمد نے اصل میں فرمایا ہے: امام مسجد میں موجود ہو تو ہمارے تینوں اماموں کا مذہب یہ ہے کہ امام ومقتدی سبھی اس وقت کھڑے ہوں جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح کہے۔

محمد بن شہاب کردری (ت ۸۲۷) کی بزازیہ میں ہے:

دخل المسجد وهو يقيم، يقعد ولا يقف قائما الى وقت الشروع۔

ترجمہ: کوئی مسجد میں اس وقت داخل ہو جب اقامت ہو رہی ہے تو بیٹھ جائے، نماز شروع ہونے تک کھڑا نہ رہے۔ (ج ا ص ۱۹)

زین الدین بن ابراہیم (ت ۹۷۰) کی بحر الرائق میں ہے:

قوله (والقيام حين قيل حي على الفلاح) لانه امر به فيستحب المسارعة اليه۔ اطلاقه فشمل الامام والماموم ان كان الامام بقرب المحراب۔

ترجمہ: حی علی الفلاح کے ذریعے کھڑے ہونے کا حکم دیا جاتا ہے تو مستحب ہے کہ اس کی تعمیل ہو۔ متن میں کھڑے ہونے کی بات مطلق ہے تو امام و مقتدی دونوں کے لیے یہی حکم ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب امام محراب کے قریب موجود ہو۔ (ج ا ص ۵۳۱)

سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم (۱۰۰۵) کی نہر الفائق میں ہے:

(والقيام) اى قيام المصلي ولو اماما (حين قيل حي على الفلاح) مسارعة لامتثال الامر هٰذا اذا كان الامام بقرب المحراب۔ امام و مقتدی سب حی علی الفلاح ہی پر کھڑے ہوں تاکہ امر کی تعمیل ہو جائے، یہ اس صورت میں ہے جب امام محراب کے قریب موجود ہو (ج ا ص ۲۰۳)

فتاویٰ عالم گیری ج ا ص ۱۱۴ میں ہے:

اذا كان المؤذن غير الامام وكان القوم مع الامام فى المسجد فانه يقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حي على الفلاح عند علمائنا الثلاثة وهو الصحيح۔

ترجمہ: موذن دوسرا ہو اور امام دوسرا، اور قوم امام کے ساتھ مسجد میں ہو تو امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب مکبّر حی علی الفلاح کہے۔ ہمارے تینوں اماموں کا مذہب یہی ہے اور یہی صحیح ہے۔

شرح مختصر الوقایہ للبرجندی میں ہے:

اذا قال المؤذن حی علی الصلاۃ فی الاقامۃ و کان الامام والقوم فی المسجد ینبغی ان یقوموا ھذا ھو المذکور فی الھدایۃ والوقایۃ۔

ترجمہ: مقتدی کے ساتھ امام بھی مسجد میں ہو تو سب لوگ اقامت میں حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوں، ہدایہ اور وقایہ میں یہی بیان کیا گیا ہے۔ (ج ۱ ص ۸۶)

رمز الحقائق میں ہے:

الخامس القیام ای قیام الامام والقوم حین قیل ای یقول المؤذن حی علی الفلاح۔

ترجمہ: نماز کا پانچواں ادب یہ ہے کہ امام اور مقتدی اس وقت کھڑے ہوں جب تکبیر کہنے والا حی علی الفلاح کہے۔ (ج ۱ ص ۳۱)

نور الایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

ومن الادب (القیام) ای قیام القوم والامام ان کان حاضرا بقرب المحراب حین قیل ای وقت قول المقیم حی علی الفلاح۔

ترجمہ: نماز کا ایک ادب یہ ہے کہ امام محراب کے قریب موجود ہو تو مکبّر کے حی علی الفلاح کہنے پر ہی امام ومقتدی کھڑے ہوں۔

حاشیہ شلبی میں ہے:

قال فی الوجیز: والسنة ان یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح اھ ومثله فی المبتغی اھ۔

ترجمہ: وجیز میں ہے: سنت یہ ہے کہ امام اور قوم اس وقت کھڑے ہوں جب مکبّر حی علی الفلاح کہے۔ مبتغی میں بھی اسی طرح ہے۔ (ج ۱ ص ۲۸۳)

مالا بدمنہ از حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی میں ہے:

طریقۂ خواندن نماز برو جه سنت آنست که اذان گفته شود و اقامت و نزد حی علی الصلاۃ امام برخیزد۔

ترجمہ: سنت کے مطابق نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اذان واقامت کہی جائے اور امام حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوں۔ (ص ۳۱)

(۲) امام مسجد سے باہر ہو اور مکبّر تکبیر شروع کر دے اور امام غیر قبلہ کی طرف سے آئے جیسا کہ کبھی کبھی ہو جاتا ہے تو حکم یہ ہے کہ سارے مقتدی بیٹھے رہیں، بس امام جس جس صف سے گزریں اُس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں۔

مبسوط امام سرخسی میں ہے:

و کذالک بعد فراغه من الاقامة مالم یدخل المسجد لایقومون فاذا اختلط بالصفوف قام کل صف جاوزهم حتی ینتهی الی المحراب۔

ترجمہ: یوں ہی اقامت ختم ہو جانے پر جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو جائے مقتدی بیٹھے رہیں جب آ کر مسجد میں داخل ہو تو جس جس صف سے گزرے اس صف کے لوگ کھڑے ہوتے جائیں یہاں تک کہ امام محراب میں پہنچ جائے۔

فتاوی عالم گیری ج ۱ ص ۱۱۴ میں ہے:

اذا کان الامام خارج المسجد فان دخل من قبل الصفوف فکلما جاوز صفاً قام ذالک الصف۔

ترجمہ: امام مسجد سے باہر ہو اور صفوں کی طرف سے آرہا ہو تو جس صف سے گزرے اُس صف کے لوگ کھڑے ہو جائیں۔

(۳) یہ صورت بھی کبھی ہو جاتی ہے کہ امام ہی تکبیر کہتے ہیں، اس صورت میں حکم یہ ہے کہ مقتدی بیٹھے رہیں کھڑے نہ ہوں، جب امام پوری تکبیر کہ لیں تب کھڑے ہوں۔

مبسوط امام سرخسی میں ہے:

فان کان ھو الامام لم یقوموا حتی یفرغ من الاقامۃ لانھم تبع للامام وامامھم الآن قائم للاقامۃ لا للصلاۃ۔

ترجمہ: امام ہی تکبیر کہے تو جب تک تکبیر ختم نہ ہو جائے مقتدی کھڑے نہ ہوں؛ کیوں کہ مقتدی امام کے تابع ہیں اور امام ابھی نماز کے لیے کھڑے نہیں ہیں، اقامت کے لیے کھڑے ہیں۔

فتاوی عالم گیری ہی کی ج ۱ ص ۱۱۴ میں ہے:

وان کان المؤذن والامام واحداً فان اقام فی المسجد فالقوم لا یقومون مالم یفرغ من الاقامۃ۔

ترجمہ: مسجد میں امام ہی تکبیر کہے تو مقتدی بیٹھے رہیں جب امام تکبیر سے فارغ ہو جائے تب کھڑے ہوں۔

بحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۱ میں ہے:

فان کان واحداً واقام فی المسجد فالقوم لا یقومون حتی یفرغ من الاقامۃ کذا فی الظھیریۃ۔

ترجمہ: امام ہی مسجد میں تکبیر کہے تو جب تک امام تکبیر کہ کر فارغ نہ ہو مقتدی کھڑے نہ ہوں جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔

(۴) اور جن صورتوں میں امام ہو یا مقتدی جن کے لیے بیٹھے رہنے کا حکم ہے، اگر وہ کھڑے رہیں گے تو کراہت کے مرتکب ہوں گے۔

محرر مذہب امام محمد نے مبسوط میں لکھا ہے:

واما اذا لم یکن الامام معهم فی المسجد فانني اکرہ لهم ان یقیموا فی الصف والامام غائب عنهم۔

ترجمہ: جب مقتدیوں کے ساتھ امام مسجد میں موجود نہ ہو تو میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ مقتدی حضرات امام کے آنے سے پہلے ہی کھڑے ہو جائیں۔

امام سرخسی کی مبسوط میں ہے:

اذا لم یکن الامام معهم فی المسجد یکرہ لهم ان یقوموا فی الصف حتی یدخل الامام لقوله علیه الصلاة والسلام لا تقوموا فی الصف حتی ترونی خرجت، وان علیا رضی اللہ تعالی عنه دخل المسجد فرأی الناس قیاما ینتظرونه فقال مالی أراکم سامدین ای واقفین متحیرین۔

ترجمہ: جب امام مسجد میں مقتدیوں کے ساتھ موجود نہ ہو، تو جب تک امام نہ آجائے مقتدیوں کے لیے صف میں کھڑا ہو جانا مکروہ ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تک نماز کے لیے میری تشریف آوری دیکھ نہ لو، کھڑے مت ہو جایا کرو۔ اور حضرت علی ایک مرتبہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگ کھڑے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس پر فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تم لوگوں کو حیران کھڑا دیکھ رہا ہوں۔ (ج ۱ ص ۱۴۱)

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

اذادخل الرجل عندالاقامة یکره له الانتظار قائماولکن یقعدثم یقوم اذابلغه الموذن فی قوله حی علی الفلاح کذافی المضمرات۔

ترجمہ: جو شخص اقامت کے وقت آئے اس کے لیے کھڑے ہوکر انتظار کرنا مکروہ ہے۔وہ بیٹھ جائے اور جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑا ہوجیسا کہ مضمرات میں ہے۔(ہندیہ ج ۱ ص ۱۱۴)

ردالمحتار میں ہے:

ویکره له الانتظار قائماولکن یقعد ثم یقوم اذابلغ المؤذن حی علی الفلاح۔ترجمہ: کوئی تکبیر شروع ہوجانے کے بعد بھی مسجد میں آئے تو بھی اس کے لیے کھڑے رہ کر نماز شروع ہونے کاانتظار کرنا مکروہ ہے۔وہ بیٹھ جائے پھر جب مکبّر حی علی الصلاۃ پر پہنچے تو کھڑا ہو۔(ج ۲ ص ۶۵)

عمدۃ الرعایہ میں ہے:

وفیه اشارة الی انه اذادخل المسجدیکره له انتظار الصلاة قائمابل یجلس فی موضع ثم یقوم عندحی علی الفلاح وبه صرح فی جامع المضمرات۔

متن کی عبارت میں اشارہ ہے کہ آدمی جب مسجد میں داخل ہوتو اس کے لیے کھڑے ہوکر نماز کاانتظار کرنا مکروہ ہے۔بلکہ بیٹھ جائے پھر حی علی الفلاح پر کھڑا ہو۔

سوالات وجوابات

سوال: کہا جاتا ہے کہ علامہ طحطاوی نے لکھا ہے کہ حی علی الفلاح کے بعد کھڑا نہ ہو، اس سے پہلے کھڑے ہوجانے میں حرج نہیں چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:

والظاهر انه احتراز عن التاخير لا التقديم حتى لو قال اول الاقامة لا بأس۔

ترجمہ: مکبّر کے حی علی الفلاح کہنے پر لبّیک کہتے ہوئے امام ومقتدی سب کھڑے ہوجائیں، اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو مستحب کہنا تاخیر سے روکنا ہے، نہ کہ ابتدائے اقامت میں کھڑے ہونے سے روکنا۔ لہٰذا کوئی ابتدائے اقامت ہی میں کھڑا ہوجائے تو اس میں حرج کی کوئی بات نہیں۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ علامہ طحطاوی نے اس عبارت کے اختتام پر "**وحرر**" لکھا ہے، جو غور وفکر کی دعوت پر دال ہے، جسے قائل نے چھوڑ دیا ہے جس سے اس کی نیت کا پتہ چلتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ محض لغت دیکھ کر قانونی اور اصطلاحی الفاظ کی مراد متعین نہیں ہوسکتی، ورنہ قرآن کریم میں مذکور لفظ ''صلوٰۃ'' جس کا مطلب قانون واصطلاح شرع میں ''نماز'' ہے۔ اس سے اس کا لغوی معنیٰ ''دعا'' مراد لینے کا دروازہ کھل جائے گا۔

فقہائے متاخرین کا کسی ''تعلیل'' سے **الظاهرا نه** کہ کر تفریع کرنا مذہب بیان کرنا نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ کبھی اس تعلیل پر اعتراض کرنا اور اپنے شک وشبہ

کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔ حضرت عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

در یں عبارت لفظ "ظاہر" دلالت بو قوع شک می کندولا قول للشاک۔

ترجمہ: اس عبارت میں لفظ ''ظاہر'' یہ بتاتا ہے کہ مصنف کو شک ہورہا ہے اور جس بات میں شک ہو، وہ قول نہیں ہوتا۔

دراصل ''**الظاهر**'' کہہ کر علامہ طحطاوی نے حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی علت ''محض مسارعۃ لامتثال الامر'' بتانے پر اعتراض کیا ہے کہ اس سے دھوکا ہورہا ہے کہ اقامت کے شروع میں کھڑے ہونے پر حرج نہ ہو۔ حالاں کہ اس وقت کھڑا ہوجانا مکروہ ہے۔ چنانچہ خود علامہ طحطاوی نے ہی اپنی دوسری کتاب طحطاوی علی المراقی میں فرمایا ہے:

واذااخذالمؤذن فی الاقامة ودخل رجل المسجدفانه یقعدولا ینتظرقائمافانه مکروه کمافی المضمرات" قسهستانی" -ویفهم منه کراهة القیام ابتداء الاقامة، والناس عنه غافلون۔

ترجمہ: اس وقت کوئی مسجد میں آئے جب موذن اقامت کہنے لگے، تو بیٹھ جائے کھڑا ہوکر انتظار نہ کرے؛ کیوں کہ ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے" قہستانی"۔ اس سے مفہوم ہورہا ہے کہ ابتدائے اقامت سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ (ص ۲۷۷)

سوال: حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو فقہا نے آداب نماز میں شمار کیا ہے جن کے بجانہ لانے پر کوئی عتاب بھی نہیں ہے، تو اقامت کے شروع میں کھڑا ہوجانا مکروہ کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب: جس طرح مکروہ تنزیہی کا اطلاق سنت غیر موکدہ وزائدہ کے خلاف

پر ہوتا ہے ایسے ہی کبھی ادب و مستحب کے خلاف یعنی خلاف اولیٰ پر۔
بحر الرائق میں ہے:

ان المکروہ تنزیہامرجعہ خلاف الاولی۔

ترجمہ: بے شک مکروہ تنزیہی کا مرجع خلاف اولیٰ ہے۔ (ج ۲ ص ۷۵)
ردالمحتار میں ہے:

قدمنا ان ترک المستحب مکروہ تنزیہا۔

ترجمہ: ہم پہلے بیان کر چکے کہ مستحب کو چھوڑ دینا مکروہ تنزیہی ہے۔ (ج ۱ ص ۲۲۳)

بلکہ کبھی مباح پر بھی اطلاق ہوجاتا ہے۔ چنانچہ شامی میں ہے:

الظاہر انہ اراد بالمباح مالا یمنع فلا ینافی کراہۃ التنزیہ۔ ظاہر یہ ہے کہ مصنف نے یہاں مباح کہہ کر غیر ممنوع مراد لیا ہے جو کراہۃ تنزیہ کا منافی نہیں۔ (ج ۲ ص ۲۶)

اسی طرح لفظ ادب و مستحب کا اطلاق کبھی سنت زائدہ پر ہوتا ہے تو کبھی علما و مشائخ کے عمل کی متابعت پر بھی، چنانچہ:

درمختار میں ہے:

(ومستحبہ) ویسمّی مندوبا وادبا وفضیلۃ وھو مافعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرۃ وترکہ اخری ،وما احبہ السلف ۔ترجمہ: مستحب جس کو مندوب، ادب اور فضیلت بھی کہا جاتا ہے، یہ ہے کہ اسے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گاہے بگاہے کیا ہو یا سلف نے پسند کیا ہو۔

نورالانوار میں ہے:

ان المستحب ما احبہ العلما۔

ترجمہ: مستحب وہ ہے جسے علما نے پسند فرمایا ہو۔

جوادب سنت غیر موکدہ ہے اس کے خلاف عمل کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور جو ادب سنت غیر موکدہ نہیں، محض علما ومشائخ کا پسندیدہ ہو، اس کے خلاف عمل کرنے پر عتاب نہیں ہوتا ہے۔ حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا ایسا ادب ہے جو سنت غیر موکدہ ہے۔ جیسا کہ ہم مالابدمنہ اور حاشیۂ شلبی کے حوالوں سے نقل کر آئے کہ:

طریقۂ خواندن نماز بروجہ سنت آنست کہ اذان گفتہ شود واقامت ونزد حی علی الصلاۃ امام برخیزد۔

ترجمہ: سنت کے مطابق نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اذان واقامت کہی جائے اور امام حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہوں۔

(مالابدمنہ ص ۳۱)

قال فی الوجیز: والسنۃ ان یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح اھ ومثلہ فی المبتغی اھ۔

ترجمہ: وجیز میں ہے: سنت یہ ہے کہ امام اور قوم اس وقت کھڑے ہوں جب مکبّر حی علی الفلاح کہے۔ مبتغی میں بھی اسی طرح ہے۔ (شلبی ج ۱ ص ۲۸۳)

لہذا اس کے خلاف عمل کرنے پر کراہت تنزیہی کا حکم صحیح ہے۔ جیسا کہ طحطاوی علی الدر میں ہے:

فالترک۔۔۔ ان کانت سنۃ زائدۃ او مافی حکمہا من الادب ونحوہ یکرہ تنزیہا۔

ترجمہ: سنت زائدہ یا جو اس کے حکم میں ہے جیسے ادب وغیرہ، ان کے خلاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ حی علی الفلاح سے پہلے کھڑا ہونے کو مکروہ قرار دینے کے سلسلے

میں صاحب مضمرات سے پہلے کسی کا قول نہیں ملتا۔ دراصل صاحب مضمرات کو اس مسئلے کے استنباط میں تسامح ہوا ہے۔ انہوں نے حضرت علی کے جس اثر سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے اس اثر کو امام ابن شیبہ نے مصنف میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

خرج علی وقد اقیمت الصلاۃ وھم قیام ینتظرونہ فقال: مالی اراکم سامدین

آپ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ تمہیں کھڑے ہو کر میرا انتظار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ: **لاتقوموا حتی ترونی** ۔یعنی اس وقت تک مت کھڑے ہو جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ امام اگر موجود نہ ہو تو امام کے انتظار میں کھڑا نہ ہونا چاہیے، اسی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب کو منع فرمایا تھا۔ حضرت علی کے قول سے معلوم ہوا کہ کراہت کا قول اس صورت میں ہے جب امام مسجد میں نہ ہو، ورنہ کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔ جیسا کہ امام محمد نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا:

واما اذا لم یکن الامام معھم فی المسجد فانني اکرہ لھم ان یقوموا فی الصف والامام غائب عنہ۔

جب امام مسجد میں نہ ہو بلکہ مسجد سے باہر ہو تو میں صف میں کھڑے ہونے کو مکروہ سمجھتا ہوں۔

جواب: یہی حدیث مصنف عبد الرزاق میں بھی ہے جیسا کہ نمبر ۲ میں نقل کر چکا ہوں۔ اس کے الفاظ ہیں:

ان علیا خرج علیھم حین اقیمت الصلاۃ وھم قیام فقال مالکم سامدین؟

ترجمہ: اقامت ہوتے وقت حضرت علی تشریف لائے، تو لوگوں

کو دیکھا کہ کھڑے ہیں۔اس پر فرمایا: تم لوگ کیوں متحیر کھڑے ہو؟
(ج۱ص۵۰۴)

بہر کیف! قائل نے اپنی اس عبارت میں بیک وقت کئی دعوے کیے ہیں:

(۱) صاحب مضمرات کا ابتدائے اقامت میں کھڑے ہونے کو مکروہ کہنا ان کا تسامح ہے۔

(۱) صاحب مضمرات سے پہلے کراہت کا قول نہیں ملتا۔

(۳) صاحب مضمرات نے حضرت علی کے جس اثر سے کراہت ثابت کرنی چاہی ہے وہ اس اثر سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔

(۴) امام مسجد میں ہو تو مکروہ نہیں۔

پہلے دعوے کے تعلق سے عرض ہے کہ جب اقامت کی ابتدا میں کھڑا نہ ہونا سنت غیر موکدہ ہے جیسا کہ **مالابدمنہ** اور **طحطاوی علی الدر** کے حوالوں سے مذکور ہو چکا اور سنت غیر موکدہ کے خلاف عمل کرنا مکروہ تنزیہی ہے جیسا کہ علامہ طحطاوی ہی کے حوالہ سے گذر چکا تو صاحب مضمرات کا اس کو مکروہ لکھنا ان کا تسامح کیسے ہے؟

دوسرے دعوے کے تعلق سے عرض ہے کہ کوئی بات کسی کو نہ ملنے اور اس کے نہ ہونے میں جو فرق ہے اس سے شاید معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی بے خبر نہیں ہوگا۔صاحب مضمرات آٹھویں صدی کے اواخر اور نویں صدی کے اوائل میں فقہ حنفی کے عظیم فقیہ تھے اور حضرت حسن بصری (۱۱۰-۲۱)، ابن سیرین (۱۱۰-۳۳) اور معاویہ بن قرہ (۱۱۳-۳۶) کبار تابعین اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کے دادا استاذ تھے۔اب آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ پہلے صاحب مضمرات نے لکھا ہے یا امام اعظم کے ان دادا استاذوں اور کبار تابعین نے فرمایا ہے؟

تیسرے دعوے کے تعلق سے عرض ہے کہ جیسے اس اثر میں یہ ہے کہ امام (حضرت علی) مسجد سے باہر تھے ایسے ہی حضرت قتادہ سے مروی حدیث: **''لاتقوموا حتی ترونی''** میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر ہی تھے۔تو پھر حضرت انس بن

مالک، حضرت امام حسین اور حضرت عطا کیوں مطلقا حی علی الصلاۃ/حی علی الفلاح پر کھڑے ہوتے تھے؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے مسجد میں ہوتے ہوئے ابتدائے اقامت میں کھڑے ہو جانے والوں کو کیوں بٹھا دیا تھا؟ اور حضرت حسن بصری، حضرت ابن سیرین اور حضرت معاویہ بن قرہ کے بقول عامۂ تابعین پہلے کھڑے ہو جانے کو کیوں مکروہ سمجھتے تھے جیسا کہ مذکور ہوا؟

اسی طرح امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کیسے حی علی الصلاۃ کے بعد ہی کھڑے ہونے کو مستحب قرار دیتے ہیں؟

بات یہ ہے کہ کوئی خاص قرینۂ صارفہ نہ ہو تو عموم لفظ کے بالمقابل خصوص سبب کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

فتح القدیر کتاب الایمان ج ۵ ص ۸۴، بحر الرائق باب الیمین فی الدخول ج ۴ ص ۵۰۲ اور شلبی علی التبیین باب شروط الصلاۃ ج ۱ ص ۲۵۳ وغیرہ میں ہے:

ان للعبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔

ترجمہ: اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے چاہے اس کا سبب خاص ہی کیوں نہ ہو۔

شارع علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشاد گرامی: "**لا تقوموا حتی ترونی**" میں رویت، خروج کو مستلزم ہے اسی لیے مبسوط سرخسی میں "**ترونی**" کے بعد "**خرجت**" فرمایا ہے۔ اور خروج اس وقت ہوتا تھا جب مکبّر حی علی الفلاح کہتے تھے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کے شارح شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی اور ترمذی شریف کے محشّی نے لمعات کے حوالے سے لکھا ہے:

وشاید کہ بیرون آمدن آں حضرت دریں وقت می بود۔

ترجمہ: شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکبّر کے حی علی الصلاۃ/حی علی الفلاح کہنے کے وقت ہی تشریف لاتے۔ (اشعۃ اللمعات

ج ا ص ۱۲۱ ۳)

یحتمل انه صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یخرج عند هٰذا القول۔

ترجمہ: احتمال ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکبّر کے حی علی الصلاۃ/حی علی الفلاح کہتے وقت تشریف لاتا ہوں (حاشیۂ ترمذی ج ا ص ۷۶)

تو حدیث کا مقصود یہ ہوا کہ جب تک مکبّر حی الفلاح نہ کہے تم لوگ کھڑے مت ہوا کرو۔

اسی لیے علامہ پانی پتی اور شلبی نے حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کو سنت کہا ہے ،اور حضرت حسن بصری ،حضرت ابن سیرین نیز عامۂ تابعین پہلے کھڑے ہوجانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

چوتھے دعوے کے تعلق سے عرض ہے کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ امام مسجد میں ہو تو مکروہ نہیں ہے؟ اگر حدیث میں عبارت النص نہ ہونا ہی دلیل ہو تو جمہور امت نے امام کے مسجد میں ہوتے ہوئے بھی حی علی الصلاۃ کے بعد ہی کھڑے ہونے کا حکم کیسے دیا ہے؟

سوال: اگر اول اقامت میں کھڑا ہونا مکروہ ہے تو کیا حضرت عمر بن عبدالعزیز، محمد بن کعب القرظی ،سالم بن عبداللہ بن عمر ،ابوقلابہ ،عراک بن مالک ،زہری اور سلیمان بن حبیب محاربی رضی اللہ عنہم جیسے تابعین جو ابتداے اقامت میں کھڑے ہوجایا کرتے تھے ،کراہت کا ارتکاب کرتے تھے؟

جواب: یہ تو کراہت تنزیہی کا معاملہ ہے تابعین میں تو واجب وفرض اور مکروہ تحریمی وحرام تک کے معاملوں میں اختلاف رہا ہے۔ تابعین ہی نہیں ائمۂ مجتہدین کے درمیان بھی اختلافات رہے ہیں۔ تو کیا ان اختلافات کا سہارا لے کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرات فرض کے تارک یا حرام کے مرتکب تھے؟ کراہت کا حکم تو اس کے لیے ہے جو اپنے آپ کو امام اعظم ابوحنیفہ کا مقلد مانتا ہے اور اپنے کو حنفی کہلاتا ہے۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ چوں کہ مختلف فیہ ہے حضرت سعید بن مسیب ابتداے

اقامت میں کھڑے ہوجانے کو واجب مانتے تھے جیسا کہ علامہ ابن حجر شافعی نے فرمایا ہے:

عن سعید بن المسیب قال: اذا قال المؤذن اللہ اکبر وجب القیام واذا قال حی علی الصلاۃ عدلت الصفوف واذا قال لا الہ الا اللہ کبّر الامام۔

ترجمہ: مکبر اللہ اکبر کہے تو کھڑا ہوجانا واجب ہے، اور جب حی علی الصلاۃ کہے تو صفیں درست کر لی جائیں اور جب لا الہ الا اللہ کہے تو امام تکبیر تحریمہ کہے (فتح الباری ج ۲ ص ۱۲۰)

اور صوفیائے کرام چوں کہ احتیاط پر عمل فرما ہوتے ہیں اس لیے وہ ابتدائے اقامت ہی پر کھڑے ہوجاتے ہیں کیوں کہ ترک استحباب ترک وجوب سے اولیٰ واعلیٰ ہے۔

جواب: جو حضرات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث "لاتقوموا حتی ترونی" اور اس سے ماخوذ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے "اثر": دخل المسجد فرأی الناس قیاما ینتظرونہ فقال: مالی أراکم سامدین: سے ابتدائے اقامت میں کھڑے ہونے کی کراہت تنزیہی کے استنباط کو غلط قرار دیتے ہیں، خود ان حضرات کے پاس حضرت سعید بن مسیب کے ابتدائے اقامت پر کھڑے ہونے کے وجوب کی کونسی دلیل ہے؟

"وجب" کا لفظ دیکھ کر وجوب اصطلاحی یعنی حکماً فرض سے کم اور سنت موکدہ سے بڑھا ہوا سمجھنا فقاہت سے بہت دور ہے۔ دراصل یہاں "وجب" کے معنی "ثبت" کے ہیں جیسا کہ:

المنجد میں ہے:

وجب الشئ: ثبت۔

ترجمہ: فلاں چیز واجب ہوئی یعنی ثابت ہوئی۔

حدیث پاک میں ہے:

وجب اجرنا علی اللّٰہ۔

ترجمہ: اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر واجب ہو گیا۔ (بخاری)

اس کی تعلیق مصطفی البغا میں ہے:

ثبت واستحق بفضل اللّٰہ تعالی۔

یعنی ثابت ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے استحقاق حاصل ہوا۔

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

وجب اجرہ ای ثبت وتحقق: ترجمہ: اس کا اجر واجب ہو گیا یعنی ثابت ہوا۔

فتح القدیر ج ا ص ۱۴۴ میں ہے:

وجب القضا ای ثبت۔ قضا واجب ہے یعنی ثابت ہے۔

الحاصل

(۱) اقامت شروع ہونے سے پہلے کھڑے ہو جانے اور حی علی الصلاۃ پر کھڑے ہونے کے سلسلے میں احادیث مختلف ہیں:

(الف) ایک مرتبہ مکبّر کے تکبیر شروع کرتے ہی صحابہ نے کھڑے ہو کر صفوں میں اپنی جگہیں بنالیں، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔

(ب) ایک بار مکبّر نے تکبیر شروع کی اور جب حی الصلاۃ/حی علی الفلاح پر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے۔

(ج) جب مکبّر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھتا تب تکبیر کہتا۔

(د) مکبّر جب قد قامت الصلاۃ کہتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے۔

(ہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف آوری سے پہلے کھڑے ہونے کی ممانعت فرمائی۔

(۲) شارحین حدیث نے فرمایا ہے کہ جن حدیثوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی اقامت ہونے اور صحابہ کے کھڑے ہو جانے کا تذکرہ ہے، وہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے سے پہلے کی بات ہے یا کسی عذر کے سبب ایسا ہوا تھا یا پھر یہ بتانے کے لیے کہ ناجائز یہ بھی نہیں ہے اگرچہ بہتر نہیں۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ میں کسی اختلاف کا پتہ نہیں چلتا۔ حضرت انس بن مالک اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما قد قامت الصلاۃ پر کھڑے ہوتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر نے ابتداے اقامت پر کھڑے ہوئے

لوگوں کو بٹھا دیا اور فرمایا کہ جب مکبّر قدقامت الصلاۃ پر پہنچے تب کھڑے ہوا کرو۔ اور حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے پہلے کھڑے ہو جانے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

(۴) صحابہ کے بعد تابعین میں معدود چند کو چھوڑ کر جمہور کا عمل بھی اسی پر تھا کہ وہ حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑے نہیں ہوا کرتے تھے۔ بلکہ حضرت حسن بصری، حضرت ابن سیرین اور حضرت ابن قرہ کے بقول عام تابعین اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(۵) ائمۂ مجتہدین میں بھی امام مالک کو چھوڑ کر باقی تمام ائمہ جن میں سرخیل امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم ہیں، ان کا مذہب یہی ہے کہ حی علی الصلاۃ سے پہلے کھڑا نہ ہوا جائے۔ امام مالک کا اختلاف بھی اس لیے ہے کہ اس تعلق سے اُن تک کوئی حدیث نہیں پہنچی۔

(۶) الغرض سنت یہی ہے کہ مکبّر جب حی علی الصلاۃ/علی الفلاح کہے تب لوگ کھڑے ہوں۔ مگر چوں کہ یہ سنت مستمرہ نہیں اس لیے غیر مؤکدہ ہے، جس کو ادب بھی کہتے ہیں۔

(۷) سنت غیر موکدہ کے خلاف کرنا گناہ تو نہیں مگر مکروہ تنزیہی ضرور ہے۔

حسام الحرمین کے حکم، مصدقین حسام کی تصدیقات پہ اعتراض اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کے حوالہ سے امام احمد رضا کے کف لسان پہ شبہات وتشکیک زدہ انسانوں کی خدمت میں ایک علمی تحقیقی اور دعوتی کتاب

بنام

علمائے دیوبند کی تکفیر کیوں؟

مصنفہ

فقیہ النفس مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

ناشر

القلم فاؤنڈیشن سلطان گنج پٹنہ ۶

Masa'lay-e-Azano Eqamat Ka Sahih Nazaria

BY: MUFTI MOTIURRAHMAN RAZVI

Design & Printed : Ahmad Publications Pvt. Ltd. Patna # 8521889323